١١٢٠٦

ماہ جبین اندرا

آج سے کئی ہزار برس پہلے، جب یہ سنسار موجودہ تہذیب سے کوسوں دور تھا، گو آج کل کی بہت سی نعمتوں اور مصیبتوں کا اس وقت ظہور نہ ہوا، مگر نظام عالم کی صورت یہی تھی جو آج صدہا برس بیتنے اور جگ گزر جانے پر دکھائی دے رہی ہے، انسانی صورتیں ایسی ہی تھیں، پہلو میں دل اسی طرح کے تھے، مگر دل میں جو جب تھا وہ اب نہیں، اور جو اب ہے وہ جب نہ تھا، پریم اُن دلوں کا مسکن اور سچی محبت اُن لوگوں کی زندگی تھی، نیلا سفید آسمان جو آج سروں پر چھایا ہوا ہے، جب بھی تھا، اور یہی میلی کچیلی دھرتی جو اب پاؤں لگ رہی ہے، اُس سمے بھی تھی، ان ہی دنوں کی ایک رات کا ذکر ہے آسمان پر سکون مطلق طاری تھا، چھوٹے چھوٹے تارے چاروں طرف بکھرے ہوئے تھے اور پورنماشی کا چاند جمنا کی لہروں کو ٹکٹکی باندھے دیکھ رہا تھا۔

دریا کے کنارے ایک جوگی کی منڈھیا تھی جس کے چاروں طرف ریت کے ذرے چمک رہے تھے اندر ایک سادھو آسن جمائے تھا اور

پہلو میں ایک حسن کی دیوی خاموش بیٹھی تھی۔ اس کی سوہنی صورت سنگار کی محتاج نہ تھی۔ قدرت نے اس کو اپنے ہاتھ سے گھڑا تھا۔ ایک ہلکی سی ملگجی ساڑی اس کے نازک جسم کو چھپائے ہوئے تھی جس پر سیاہ اور لمبے بال ناگنی کی طرح لہرا رہے تھے سفید بُراق پیشانی پر ہلکے سے تلک نے موہنی مورت کو چار چاند لگا دیئے تھے۔ چاند کی روشنی منڈھیا میں سے چھن چھن کر اس ماہ جبین پر پڑ رہی تھی اور چاند اس کے حسن خدا داد پر عشق عشق کر رہا تھا ہرن بارہ سنگھے چکارے۔ اس کے آس پاس کلیلیں کر رہے تھے اور گو آرائش ظاہری کا اس کے حسن میں پتہ تک نہ تھا۔ مگر محبت کا سرمہ آنکھ میں جھلک رہا تھا۔

دریا، دریا کی لہریں، سو گئیں۔ منڈھیا کی پشت کے باغ پر اوس پڑنے لگی، کھلے ہوئے پھول پتوں پر سر رکھ کر لیٹ گئے، بلبل خاموش، بھونرے بے خبر، ہرن چوکڑیاں بھولے اور منڈھیا کی آگنی جلتے جلتے راکھ ہو گئی ایک عالم سنسان تھا کہ یہ نازنین انداز دلربایانہ سے اُٹھی منڈھیا سے باہر آئی جھکتے ہوئے چاند پر نظر ڈالی اور ایک ٹھنڈا سانس بھرتی ہوئی گلاب کے تختے پر پہنچی۔ ہوا اپنی نازک انگلیوں سے زلف عنبرین کے پیچ بنا رہی تھی۔ اور چاند تھا کہ لب نازک پر پروانہ وار گر رہا تھا، گلاب کے کٹوروں سے پھول چاروں طرف کھلے ہوئے تھے اور چنبیلی رات کی ہوا خوشبو پھیلاتی ہوئی آہستہ آہستہ چل رہی تھی، نازنین ایک ایسی جگہ ٹھٹکی جہاں ہوا کی بادولت چشمہ کا شفاف پانی ایک سدا بہار گلاب کے پھول کے

بو سے لے رہا تھا، ٹھٹکی اور ٹھٹک کر تھمی اٹھی اور تھم کر بیٹھی اٹھی بیٹھی اور بیٹھ کر اٹھی، اٹھی اور اٹھ کر منڈھیا میں آئی، اور حسرت سے ایک کونہ میں بیٹھ گئی، نرگسی آنکھوں سے آنسو کے قطرے ڈھلک ڈھلک کر نرم اور نازک رخسار وں پر بہہ رہے تھے اور پیشانی کا بل قلب مضطرب کی دھڑکن ظاہر کر رہا تھا، ابھی یہ آنسو خشک نہ ہوئے تھے کہ جوگی نے آنکھ اٹھا کر دیکھا اور کہا "اندرا"

اندرا۔ ہاں مہاراج!

جوگی۔ من کی چنتا دور ہوئی؟

اندرا۔ ہے مہاراج میری بنتی پر دھیان کیجئے اور اس وشوامتر کو مجھ سے دور کیجئے۔ راجوں کے راج سری مہاراج میں آپ کی چیری ہوں، آپ آئیے اور میری لاج رکھ لیجئے، ہے مہاراج اوہ مانس نہیں تھا، اپسرا بھی نہ آ کر تھا۔ سپنے میں درشن دیئے اور من موہ لیا۔

جوگی۔ اندرا ہٹ جا! پرے ہو جا! تیرے جیون میں پریم کا راستہ کٹھن ہے، جا تو ہے، تو نے اسے اندر او جھوکا دیا، میرے راج پاٹ کو دیکھ، یہ تمام سنسار ایک دم میں، بھسم کر دوں، جلا دوں، راکھ کر دوں، اندرا، اندرا تو اور تیرا سپنا، سب بھسم ہو جائیں، جا! جا! ہٹ! اندرا دور ہو جا!

(۲)

برسات کی اندھیری رات ہے بادل اُمنڈ اُمنڈ کر آ رہے ہیں اور گھٹا

جھوم جھوم کر برس رہی ہے اجمنا کے اس کنارے پر جہاں منڈھیا تھی ایک عالی شان محل بنا ہوا ہے۔ جوگی مہاراج کا جوگ ختم ہوا، آج وہ اس سرزمین کا راجہ ہے، بڑے بڑے رشی اور منی اگیانی اور ودیانی، ڈنڈوت کر رہے ہیں، گنگا جی کا اشنان، مہاراج کی سالگرہ، اندرا کی سواری دیوی کے مندر پر دیا بالنے جاتی ہے، ٭

مہارانی اندرا کے حسن کا سکہ روئے زمین پر بیٹھا ہوا تھا، اس کی آن بان اس کی سج دھج یوں ہی ہزاروں دل پامال کر چکی تھی اس وقت اس کا بناؤ سنگار ایک قیامت تھی کہ چاروں طرف لوٹ رہی تھی کوہ نور کو شرمانے والے جواہر نگار جھنڈے کانوں سے سرگوشیاں کر رہے تھے اور سات لڑی کا نسے موتیوں کا گلوبند سینہ پر جھلمل جھلمل کر رہا تھا پکھراج اور نیلم کی چوڑیاں دست حنائی کے آگے سر بسجود تھیں۔ گورا رنگ اور رنگ میں ملاحت زریں لباس گلابی رنگت کتابی چہرہ قاتل صورت آفت کی پرکالہ قیامت کی گفتار محبت کی کھری ناف کی پری، نشہ عشق میں چور اندرا جنت کی حور راجہ کے روبرو پہنچی چرن لئے۔ ڈنڈوت کی اور یہ اشیرباد دی مہاراج کا راج پاٹ رہتے سنسار تک، ٭

راجہ یوں ہی اندرا کے نام کا دیوانہ تھا صورت دیکھتے ہی دل ہاتھ سے نکل گیا، پچھلی باتیں بھول بسر گئیں، بے اختیار ہو کر اٹھا اور دیوانہ وار پیشانی کو بوسہ دیا، ٭

راجہ۔ اندرا! مہارانی اندرا! اس موہنی مورت میں یہ من، اور اس میں

ہیں یہ کھوٹ، +

اندرا۔ سری مہاراج! میرے من میں مانس کی چنتا نہیں وہ راجہ جی کا اوتار ہے اس کے برہ کی ماری ہوں اور اس کی چنتا دور نہیں ہوتی +

راجہ۔ ہٹ ہٹ، ہٹ جا! اندرا! چلی جا دور ہو جا، +

(۳)

پرستش کے قابل ہے شاہجہان کی وہ مقدس سرزمین جس پر اندرا جیسی حسن کی دیویاں جو ایک عالم سے اپنی وفاداری کی داد لے گئیں۔ پیدا ہوئیں! دنیائے تاریخ ان متبرک ناموں کو آنکھوں پر رکھ کر اُن کے کارناموں پر قربان ہوگی، اور جب تک فانی دنیا میں شاہجہان آباد کا وجود ہے۔ عشق اس سرزمین کا طواف اور محبت جُھک جُھک کر سجدے کرے گی، عقل رسا آج تک حیران ہے، قیاس کام نہیں کرتا اور ذہن مجبور رہے گئے۔ اُمید تھی کہ رانیوں کی رانی خواص کی راج دھانی جگ کی دلاری اندرا پیاری حُسن کی کان، دالی مالک کی جان، صرف اسی صورت پر جو خواب میں دیکھی عمر عزیز قربان کردے گی!

شاہجہان آباد والے اس کا احسان نہ مانیں، اور ہندوستان اس کے نام سے لاعلمی ظاہر کرے مگر یورپ اس کی ہیرا دا پر مٹتا رہا اور آج بھی کہ سینکڑوں ہزاروں برس گزر گئے یورپ کے عجائب خانے اس کی تصویر پر ناز کر رہے ہیں +

دِلّی اس سے انکار نہیں کر سکتی کہ محبت کا پہلا فانوس اندرا کے

ہاتھوں اس کے کھنڈروں میں روشن ہوا! ثابت قدمی نے اُس کے حوصلے بڑھائے عشق نے تاج شاہانہ سر پر رکھا! اسی کا صدقہ ہے کہ آج اس قوم کی سینکڑوں خاندان اس کے نام سے پل رہے ہیں، راجوں کے راجہ اور بادشاہوں کے بادشاہ جن کی آج ہڈیاں بھی گل کر خاک ہو گئیں اس کا کلمہ پڑھتے رہے کس کا منہ ہے کہ اندرا جیسی ماہ جبین پر بیوفائی کا الزام لگا دے۔ رانی نہیں چیری اور چیری نہیں کیری سہی۔ مگر پہلو میں وہ دل رکھتی تھی جس پر آج کے دم تک حسن کی مجسمہ دیویاں شکریہ کے پھول چڑھا رہی ہیں ❊

اللہ بس باقی ہوس! اندرا محبت کی لاج رکھ گئی! اور ایک عالم کو دکھا دیا! خاک ہندوستان سے ایسی وفادار روح پیدا ہوئی جس کا جواب دنیا کے باقی حصوں سے آج تک نہ ملا ❊

اب تک نہیں تو اب اور کل تک نہیں تو آج اسی ہندوستان والے سینکڑوں ہزاروں اس ماہ جبین پر جو محبت کی رسیا آنکھوں کو حسن کا جلوہ دکھا گئی جس کی ہر ادا بجلی کی طرح دلوں پر گرتی جس کا ہر انداز تیر کی مانند کلیجوں میں گھسا۔ بیوفائی کا الزام لگائیں گے مگر ان ہی سنگ دلوں میں دو چار نہیں لاکھوں کروڑوں ایسے بھی نکلیں گے جو ہماری اندرا کے اس استقلال کی داد دیں مٹ گئی اُجڑ گئی برباد ہو گئی سینہ پر خون کی ندیاں بہیں بڑے بڑے جان نثار آنکھوں کے سامنے زمین میں لوٹ گئے مگر محبت کی دھن میں فرق نہ آیا۔ نت نئے داغ کلیجے پر لگے اور انوکھی انوکھی مصیبتیں سر پر ٹوٹیں لیکن جس صورت پر دل نثار کیا اس کی یاد ہاتھ سے نہ دی ❊ —

ہمیں یہ لکھنے میں مطلق تامل نہیں کہ راجہ اندر کی اس دعا میں کہ اندرا ایک روز اپنے محبوب کے گلے لگے گی سب سے بڑی سفارش اس کی سندر صورت تھی اور گو زمانہ کی رائے ہمارے موافق نہ ہو مگر ہم علی الاعلان کہیں گے کہ راجہ جو کچھ بھی تھا انسان تھا اندرا حسن کی وہ پوٹ تھی کہ بارہا فرشتوں نے اس پر درود پڑھی ؛

ہم اب کہتے ہیں کہ اندرا اگر بڑی عورت نہ تھی اندرا وہ نازنین تھی کہ کوہ نور جیسے ہیرے اس کے ادنے خادم اور تخت طاؤس اس کا معمولی غلام ؛

زمانہ کتنا ہی بدتہذیب ہو جائے اور انصاف کی آنکھوں پر کیسے ہی بار یک پردے پڑ جائیں، لیکن شاہجہان آباد اور اس کی پونز دھرتی مہارانی اندرا کا نام نادم واپسین کلیجہ سے لگا رکھے گا ؛

(۴)

موسم وہ نہیں، مگر وہی جمنا کا کنارہ اور عالی نشان محل سہ پہر کا وقت ہے راجہ ایک طلائی مسہری پر لیٹا ہے پہلو میں رانی اندرا ہے اور گو اس کا جگر حرارت عشق سے تڑپ رہا ہے مگر نازک ہاتھ راجہ کے سر پر مور چھل کر رہے ہیں، گرمی قیامت خیز ہے، لو کے تند و تیز جھونکے کائنات کی ہر شئے کو جھلسا رہے ہیں، لیکن اندرا کی سندر صورت نے راجہ کو سب تکلیفیں بھلا دیں۔ تاج شاہانہ اندرا کی گود میں ہے اور محبت بھری نظریں اس کے رُخ نازک پر!

راج دلاری نہیں فرشتوں پیاری اندرا اس وقت سبز لباس میں تھی موسم بہار اس کے قدموں پر نثار ہو رہا تھا اور نسرین و یاسمین اس کی گود میں لوٹ رہے تھے راجہ اپنی خوش قسمتی پر فخر کرتا تھا۔ اندرا جیسی نازنین پہلو میں تھی یارائے ضبط نہ رہا تو اٹھا اور کہنے لگا!

مہارانی! یہ سیمیں نبر سے چرن پر ہے،

اندرا۔ ہے مہاراج! اندرا، باندی ہے، اس کی لاج تمہارے ہاتھ اتنا کہہ کر اندرا نے اپنے دست سیمیں راجہ کے گلے میں ڈال دیئے در و دیوار۔ آسمان اور زمین المختصر کائنات اور کائنات کا ہر ذرہ راجہ کی تقدیر پر حسرت سے نظر ڈال رہا تھا، دونوں کی آنکھوں سے آنسوؤں کی ندیاں بہہ رہی تھیں۔ سبز اوڑھنی کا سرا اندرا کے سر سے ڈھلک کر کاندھے پر آ پڑا تھا حسن کی دیوی اس وقت محبت کی پوری تصویر تھی، ہاتھ راجہ کے گلے میں تھے اور دل یاد دل داریں، ؛

(۵)

ان خیالوں کو مدتیں ہوئیں وہ باتیں کہانیاں اور وہ راز و نیاز فسانے ہو گئے، آج جمنا کی لہریں راجہ کی موت کا نوحہ پڑھ رہی ہیں، شہر پر ایک سناٹا چھایا ہوا ہے عالی شان محلوں کے سر بفلک کنگرے اپنے مکین کے فراق ابدی پر آٹھ آٹھ آنسو رو رہے ہیں، سدا بہار اور رنگ برنگ کے پھول جن کی خوشبو آسمان تک اڑتی تھی پامال ہو گئے اور وہ بار آور سرسبز ڈالیاں جن پر طائران خوش الحان نغمہ سنجی کرتے تھے اندرا کی ہوگی

کا ماتم کر رہی ہیں، آدھی رات کا وقت ہے اور اندرا صرف ایک قمقمہ کی روشنی میں سر پر ہاتھ رکھے بیٹھی ہے۔ راجہ کا صدمہ اس کے دل سے زائل ہو چکا، مگر خواب کی صورت وہ مستقل لگن ہے جو کسی طرح فراموش نہیں ہو سکتی، کلیجہ میں ہوک اُٹھتی دل میں نشتر چبھتے حلق پر چھریاں چلتیں مگر رات کسی طرح ختم نہیں ہوتی، دل بہت زیادہ تڑپتا تو اُٹھ بیٹھتی، ٹہلتی پھرتی، اِدھر جاتی اُدھر جاتی دیوانہ وار ایک ایک طرف جھانکتی، اور مایوس ہو کر بیٹھ جاتی۔ آسمان تاروں کا تھال لئے اندرا کے سر پر کھڑا تھا، کچھ دیر اس میں محو رہی اور دفعتہً چلا اُٹھی ؛

جھکو، جھکو، آسمانی تاروں، اندرا کے سر پر جھکو، اُڑو، اُڑو، ہوا کے جھونکو فضائے عالم میں اڑو، اڑو اور اندرا کی ہنسی اُڑاؤ، بھیگ، بھیگ، شب سیاہ! اچھی طرح بھیگ، اور اندرا بد نصیب کو غرق ناامیدی میں بھگو، آ! آ! صبح قیامت آ! رات کا دامن اور اندرا کا سینہ چاک کر، اُٹھا! اُٹھا، ظالم آسمان، اپنی کشش سے اندرا کو اُٹھا لے، جذب کر لے، غارت کر دے،

(۶)

اثر محبت کی قائل ایک دنیا اور کشش قلب کا معترف ایک عالم سہی، اور کوئی وجہ نہ تھی کہ اندرا جیسی رانی جس نے دعوئے عشق میں راجہ جیسے عاشق زار کو قربان کیا کامیاب نہ ہوتی۔ اندرا عشق زلیخا کی سچی مثال تھی جس طرح ثابت قدمی نے زلیخا کو یوسف کے گلے لگا دیا یقیناً اندرا اس

محبوب کی محبوب ہوتی جس کو خواب میں دل دے بیٹھی مگر اس کا کیا علاج کہ وہ
خود گو صورت سے آشنا تھی مگر نام و نشان سے مطلق بے خبر۔

ایک زمانہ اسی طرح گزرا ہوا کہ جھکڑ چل چل کر تھمے باد صبا سر سرا
سر سرا کر بند ہوئی، مینہ کی جھڑیاں برس برس کر تھمیں، اور خطرناک طوفان
آ آ کر ٹلے مگر نہ تھما تو اندرا کی آنکھ کا آنسو جس کو دنیا اندھیرا اور شاہی محل
مٹی کے ڈھیر تھے، رات کے سنسان وقت میں سر پر بجلی اور طوفان، آنکھ
کے سامنے جنگل اور بیابان، اندھیر گھپ، در و دیوار چپ، پتے بیہوش
چڑیاں خاموش، اور اندرا بدنصیب۔ یاد حبیب میں سرشار مضطرب و
بیقرار پھر رہی ہے، ایک رات تن تنہا، کنھیا کے خطرناک جنگل میں تھی کہ
نیند نے غلبہ کیا، زمین نے میزبانی میں فرش خاکی بچھایا، دریا کے پانی نے
ترانے سنائے، ہوا نے لوری دی۔ اور کنھیا کی مہمان اسی خارستان میں سر
رکھ کر لیٹ گئی، لیٹنا تھا کہ آنکھ لگی، اور آنکھ کا لگنا تھا کہ ایک اور ہی
سماں آنکھوں کے سامنے تھا،

ملک نیا، لوگ انوکھے، صورتیں عجیب، پوشاک نرالی، وقت رات
کا ہے مگر اندرا آج چودھویں کے چاند کو مات کر رہی ہے، سر پر کارچوبی
دوشالہ گلے میں جواہر نگار مالا۔ گلاب کا پھول ہاتھ میں، سات سہیلیاں
ساتھ میں ایک عالم کے دلوں کو پامال کرتی چلی جا رہی ہے۔ چلتے چلتے
ایک ایسے مقام پر پہنچی جہاں کی رات پر دن صدقہ ہو رہا تھا، جشن شاہی
کی تیاریاں تھیں، اور ہزارہا بندگان خدا مسلح کھڑے تھے، اندرا کا پہنچنا

تھا کہ خلقت جشن و جلوس سب بھول گئی ایک چشم زدن میں کئی لاکھ نگاہوں نے اس کی سلامی ادا کی اسپینکر (اندرا) دل پامال کرتی ہوئی، اندرا قصر شاہی میں پہنچی، دیکھتی کیا ہے کہ ولی عہد سلطنت کے دائیں ہاتھ پر وہ چاند چمک رہا ہے جس کی عاشق زار تھی، دل بے اختیار ہو گیا، صبر کی دھجیاں اڑنے لگیں قریب تھا کہ دوڑ کر لپٹ جائے شرم و حیا پاؤں پکڑے کھڑی ہو گئی مگر ششدر نگاہ اس چہرہ پر تھی جس کی تلاش میں جنگلوں کی خاک چھانی، اور باہم محبت سے لبریز دل چھلکنے والا تھا، بادشاہ اور ولیعہد مہمان اور میزبان ایک ایک کر کے رخصت ہو گئے۔

اب اس عالی شان محل میں اندرا اور مقصود کے سوا کوئی نہ تھا، بھری نظریں ایک دوسرے کے چہرے پر پڑ رہی تھیں، دلوں کی کشمکش نے زور کیا اور اندرا کی آہ رسا تاثیر لائی چند ہی قدم آگے بڑھی تھی کہ مقصود فرط محبت میں لپکا گو ولی عہد کا لڑکا تھا اور نہیں جانتا تھا کہ اندرا بھی مہارانی ہے مگر رعب حسن تھا یا اب شاہی محبت کی زنجیر پاؤں میں آپڑی بڑھا اور ہاتھ پکڑ لیا۔

اندرا۔ اس مہمان نوازی کا شکریہ قبول فرمائیے۔

مقصود۔ پیاری، میرا منہ نہیں کہ آپ کی تکلیف کا شکریہ ادا کر سکوں، آئیے آئیے اس تخت پر آرام فرمائیے۔

اندرا۔ میں خاک کی رہنے والی تخت شاہی کی نذر کیا جانوں، یہ خدا آپ کو نصیب کرے۔

مقصود۔ خدارا مجھ پر ظلم نہ کیجئے، میرے پاس نہیں تو وہی سہی،
لیکن انصاف اجازت دے تو قلب مضطرب پر ہاتھ رکھ کر اتنا دیکھ
لیجئے، کہ یہ حسن خداداد مجھ پر کیا اثر کر گیا، *

خوشا نصیب! اس مجھ جیسے انسان کے جو اس صورت کا پرستار
اور اس نازک دل کا مختار ہو *

اندرا کچھ جواب دینا چاہتی تھی کہ بلبل نے کنہیا کے جنگل میں صبح
کا پیغام پہنچا دیا، آنکھ کھلی تو کچھ بھی نہ تھا، *

(۷)

چاند؟ نہیں! پری؟ نہیں نہیں! حور؟ ہرگز نہیں اندرا! ایک
پھول تھی کیسا پھول؟ جس نے تمام دنیا کو مہکا دیا! جس کی خوشبو
پورب سے پچھم اور اتر سے دکن تک پہنچی، جس کی خوب صورتی کا شہرہ،
جس کے حسن کی دھاک ایک عالم میں پھیلی، *

آفتاب کو نکلے مشکل سے دو گھڑیاں ہوئی ہوں گی، کہ قبیلہ لنگوہی
کا مشہور سردار، صبح شام ایک کرتا ہوا شاہجہان آباد پہنچا، اور جمنا کے
کنارے ڈیرے ڈال دیئے کیسی کیسی مشاطائیں جو آسمان میں تھگلی
لگائیں، زر و جواہر لٹا کر مہیا کیں، کہا جو کچھ کہہ سکتا تھا اور کر ڈالا جو کچھ
کر سکتا تھا لیکن عشق کا وہ طوق جو اندرا کے گلے میں خواب نے ڈالا
اتر نہ سکا، کوئی منت کوئی ظلم کوئی سختی ایسی نہ تھی جس سے کام نہ لیا
ہو، ظالم محبت کے بھیس میں نفس کا بندہ نکلا اور لنگوہی خاندان کی

عزت پر ایسا دھبہ لگایا کہ تاریخ اس کو فراموش نہیں کر سکتی، اندرا کے حمایتی
چُن چُن کر پکڑے اور وہ قدیم نمک حلال جو اس کی عزت کے ساتھ جانیں
لڑائے ہوئے تھے۔ ڈھونڈ ڈھونڈ کر نکالے دکھا دکھا کر مارا اور بیتا
بتا کر پیٹا مگر واہ ری ہماری اندرا استقلال کے پاؤں اپنی جگہ سے نہ ٹلے،

(۸)

زر، زمین، زن، کہتے ہیں کہ یہ تین چیزیں جھگڑے کی اصل اور
فساد کی جڑ ہیں، سچ جھوٹ خدا جانے۔ مگر اس میں کلام نہیں کہ اندرا
کو اس کا حسن مصیبت ہو گیا، ایک صورت اور سینکڑوں عاشق نثار،
ایک انار اور صد بیمار، کس کس کو آغوش میں لے، اور کہاں کہاں لڑائی
کرے، خدا خدا کر کے راجہ کے قبضہ سے نکلی سمجھی تھی کہ اب باقی عمر اطمینان سے
بسر ہو جائے گی۔ وصل نہ ہوگا تو فراق کی سختیاں تو ہوں گی دکھ بھروں
گی مصیبتیں جھیلوں گی رقیبوں کا کھٹکا اور ان آسمانی بلاؤں کا خوف تو نہ
ہوگا، موت آئے گی مر جاؤں گی اور یہ کہتی ہوئی اٹھوں گی ؎

حاصل عمر فدائے سر یارے کردم
شادم از زندگی خویش کہ کارے کردم

مگر افسوس اس ظالم نے وہ ستم توڑے کہ کلیجہ منہ کو آ گیا،
دوپہر ڈھل چکی تھی کہ قصائی چاروں طرف قتل تمام کرتا ہوا، اندرا کے
محل میں گھسا، بدنصیب رانی کا دل دھکڑ دھکڑ کر رہا تھا، سوچتی تھی کہ اب
عصمت کا خدا ہی حافظ ہے بدنوں کے سورما اور وفادار جو حکم پر نثار اور

اشارے پر جان نثار کرنے کو موجود تھے یہاں قربان کر گئے۔ کوئی بادشاہ نہیں حاکم نہیں کہ فریاد کروں اور یہاں بچاؤں چھ ساڑھے چھ برس کا بچہ ہے موذی نے اسے کیا چھوڑا ہوگا۔ سبب فساد تو میں ہی ہوں میری وجہ سے نہیں تو میرے سبب سے یہ ہزاروں لاشیں خون میں تڑپ رہی ہیں اتنا کچھ دیکھ چکی اور کیا کیا دیکھوں گی بس اس دنیا کو خیر باد کہدوں جہاں کے نیچے جمنا کس آن بان سے بہہ رہی ہے اس کی لہریں گود پھیلا کر مجھے لیں گی اور یہی اکلوتا بیٹا پانی اس پیاری صورت تک یہ پیام پہنچا دے گا کہ اندرا بد نصیب تجھ پر قربان ہو گئی، مگر اتنی دور کیوں جاؤں، کانوں کے آویزے چھپکلیاں کی انگوٹھی سر کا سیس یہ تینوں ہیرے جو اب تک حسن کو ترقی دیتے رہے آج زائل کر دینے کو کافی ہیں،

ابھی اس خیال کا فیصلہ نہ ہوا تھا کہ قزاق قصر شاہی میں گھس آئے اور قتل عام کر دیا۔ سنگ کی سہیلیاں اور ساتھ کی کھیلیاں آنکھوں کے سامنے لٹیں اور بھروسے کے نمک حلال دیکھتے دیکھتے خون میں نہا گئے۔ پھر جلادوں نے اب خاص کمرے کا رخ کیا۔ قدم دھرنا تھا کہ اس صورت سے چار آنکھیں ہوئیں جس کا شہرہ ہزاروں کوس کی منزل سے کھینچ کر لایا تھا

ماہ جبیں اندرا اس وقت سہمی کپکپی کرتی ملگجی سی اور چھی اور ٹھے تصویر کی طرح کھڑی تھی اگر یہ موہنی صورت اس حالت میں بھی غضب ڈھا رہی تھی اعزیزوں کے خون کے قطروں نے افشاں دے کر پیشانی کو جبین عروس

کر رکھا تھا سنگ دل سردار نے ایک آہ سرد بھری اور ہائے اندرا کا
نعرہ لگا کر بڑھا۔

قیامت خیز وقت تھا کہ اندرا جیسی نازنین کو بچاؤ کی صورت نظر نہ
آتی تھی مگر وار سے حسن اور مرجبا رعب حسن اس موقعہ پر بھی وہ کام دیا کہ
تیر و تفنگ سب رکھے کے رکھے رہ گئے، اندرا کا اتنا کہنا ایک بجلی تھی
کہ ظالم دل پر اس طرح گری کہ جلا کر خاک کر دیا۔

"آیئے آپ آیئے اور اس سنسان محل کو رونق دیجئے۔"

اندرا جیسی دل ربا کے لب لعلیں سے یہ الفاظ ایک جادو تھا کہ سردار
کے اوپر پورا کارگر ہوا۔ اس کی صورت اور اپنی قسمت کا مقابلہ کرتا تھا۔
دل خوشی کے مارے بانسوں اچھل رہا تھا اتنا کہہ کر پاؤں پر گر پڑا۔
بیگم مدت روز تک مصیبت بھگتی اب کچھ دن جوانی کے
لطف دیکھو!

اندرا۔ پاؤں سے سر اٹھا کر آپ ایک قبیلہ کے سردار اور ایک
ملک کے حاکم ہیں سینکڑوں ہزاروں لاکھوں رعیت آپ کے پاؤں پر سر
رکھتی ہے مجھ کو اٹھائیے اور میری عزت افزائی کیجئے۔

سردار۔ بیگم! کئی تین سال سے اس صورت کی شہرت نے دل تڑپا
رکھا تھا آج یہ خوش نصیب ہوئی کیا میری تقدیر اس قابل ہے کہ آپ
میرے ہمراہ میرے قیام گاہ پر تشریف لے چلیں۔

اندرا۔ یہ گھر بھی آپ کا اور وہ گھر بھی! مجھے لے چلئے یا خود تشریف

لائیے، بہتر ہوگا کہ مہمان نوازی کی عزت میں حاصل کروں اور اجازت دیجئے
کہ شام تک اس جھونپڑی کو آپ کے قابل بنانے کی کوشش کروں ؛
سردار۔ بیگم میں محل اور عزت کا طلبگار نہیں صرف اس صورت کا
بھوکا ہوں جس نے مجھ کو دیوانہ کردیا، تعمیل میں عذر نہیں، جاتا ہوں
شام کو حاضر ہوں گا ؛

خدا کی شان جس زمین پر تمام دن خون کے دریا بہتے رہے وہ رات
کو نمونہ جنت بن گئی، اندرا کہنے کو تو عورت تھی مگر مردوں سے زیادہ کام کر
گئی اور اس حال میں کہ نوکر چاکر عزیز و اقارب سب لقمۂ اجل ہوچکے تھے،
اس افراتفری اور غدر کے موقعہ پر چٹکی بجاتے میں محل دو محلے سب سجا لئے،
آرام گاہ امر واقعی یہ ہے کہ جنت کو بات کر رہی تھی طلائی مسہری، گنگا جمنی
پردے، سنہری ڈوریاں، روپہلی انگٹے، موتیا کے گجرے، چنبیلی کے کنٹھے
الغرض سردار لنگوہی کی آنکھیں بھی رانی اندرا کا ٹھاٹھ دیکھ کر کھلی کی کھلی
رہ گئیں۔ اس سامان پر طرہ اندرا کا اپنا دھانی لباس تھا سے

کہے تو کہ شب چاندنے آن کے
نکالا ہے مُنہ کھیت سے دھان کے

سردار صورت دیکھتے ہی بے قرار ہوگیا سامان مئے ناب موجود تھا اندرا
نازک ہاتھوں نے مہمان نوازی کی، ؛

رات آدھی کے قریب گزر چکی تھی کہ ظالم سردار کے دست شوق آگے
بڑھے اور ماہ جبین اندرا کو پہلو میں کھینچا ؛

تعجب ہوتا تھا کہ کس طرح قول کی پکی بات کی پوری دھن کی سچی اور دل کی اچھی اندرا ماہ جبین اس ظالم کی مہمان نوازی کر رہی ہے دفعتہً خنجر آبدار نازک ہاتھوں سے باہر نکلا اور چشم زدن میں سفاک سردار کی انتڑیاں باہر نکال کر پھینک دیں۔ اتنی آواز تو سنائی دی:

"اے ظالم دغاباز اس صورت پر یہ دھوکا"۔

(۹)

حسن کا ڈنکا تو چار دانگ عالم میں بج ہی چکا تھا اس سے ایک دنیا اندرا کی شجاعت کا لوہا مان گئی۔

اب مجروح دلوں کی اتنی ہمت نہ تھی کہ اظہار رغبت بے سوچے سمجھے کر بیٹھتے انداز دلربائی وہی اور موسم شباب بہار پہ تھا چشم کا زجادھر پڑتی تھی دل کے ٹکڑے اڑا کر ہٹتی تھی۔ ہزاروں شیدا پیدا ہوئے مگر دل کا ارمان دل میں رہا ایک روز شام کے وقت گرمی کے موسم میں نہا دھو کر محل کی تیسری منزل پر کھڑی ہوئی بال سکھا رہی تھی زلف شبگوں سے رنگ برنگ کے موتی ٹپک رہے تھے کہ ایک نابلستانی مصور ادھر سے نکلا اندرا کو علم تک نہ ہوا اور مصور تصویر لے بلستان روانہ ہوگیا۔

یہ تصویر صحیفۂ قدرت کا ایک ورق تھا جس میں صناع حقیقی نے اپنے ہاتھ سے گلکاری کی تھی زلف شبگوں افعی کی طرح لہراتی ہوئی کمر تک پہنچ گئی تھی اور دست سیمیں کی تین انگلیاں اس سانپ کو کھلا رہی تھیں ایک بلستان وزرا بلستان کیا تمام فارس لٹو ہوگیا مگر لنگو ہی سردار کا انجام سن کر ایک

ہمت تھی کہ ادھر کا رُخ کرتا ہاں وزیر جنگ کا لڑکا نادرالدولہ جان پر کھیل گیا اور دن رات ایک کرتا ہوا دلّی پہنچا، اور کامل تین روز وہ قتل عام کیا کہ آسمان اور زمین دونوں چلّا اُٹھے۔ لنگوہی مظالم از سر نو زندہ کردئے ؛

ہم اتنا مان لینے کو تیار ہیں کہ جس وقت زابلستانی شجاع اس ماہ جبیں کو بارگاہ شاہی میں لائے ہیں اور نادرالدولہ اس کے آغوش میں سر رکھے لیٹا ہے تو چشم سیاہ سے آنسوؤں کے قطرے ٹپک رہے تھے مگر یقیناً ہم زابلستانیوں کے اس دعوے کو صحیح نہیں مانتے کہ اندرا ان کے وزیرزادے کو دل دے بیٹھی تھا تاکہ ہزار در ہزار میں ایک دیکھنے دکھانے کے لائق حسین شکیل طرحدار وضع دار سب کچھ تھا، مگر اندرا کے دل کو کچھ اور ہی لو لگی ہوئی تھی یہ آنسو محبت کے نہیں رنج اور صدمے کے تھے جو مقصود کے فراق میں اندرا کی آنکھ سے نکلے اور وزیرزادے کے رخسار پر گرے ؛

واقعات آنکھ کے سامنے ہیں، معاملات کی شہادت پر زابلستانی ہوں یا ہندوستانی صائب الرائے خود ہی فیصلہ کرلیں ؛

نادرالدولہ جب ہر کوشش میں ناکام رہا اور یہ یقین کرلیا کہ مواصلت کی اُمید مطلق خبط ہے اندرا خودکشی پر آمادہ ہے تو اسی شخص نے جو عشق کا مدعی تھا اس کے تاراج کرنے میں کوئی دقیقہ نہ چھوڑا، یہ اندرا کی خوش نصیبی ہے کہ وزیرزادہ عصمت سے نا اُمید ہوکر زر و جواہر کے پیچھے پڑا اور اندرا غریب کو لوٹ کھسوٹ کر کھک کرکے چلتا ہوا ؛

۱؏۱

(۱۰)

لیلیٰ کا شیدائی مجنوں، شیریں کا فدائی فرہاد، مگر اندرا کے گھائل ہزاروں اور لاکھوں ہندو مسلمان عیسائی، ہر قوم میں اس کے عاشق اور ہر ملک میں اس کے طلب گار پیدا ہوئے اور اپنی اپنی جگہ اپنی اپنی کر رہی ہیں کسی نے کسر نہ کی ان دو ظالموں سے چھٹکارا ہوا تو مرہٹوں نے ڈورے ڈالے ایک شقی انقلب نو دن دہاڑے گھر میں گھس آیا اور ایسے ڈیرے ڈالے کہ نکلنے کا نام ہی نہ لیا نت نئے سوانگ بناتا اور طرح طرح کی چالیں چلتا، کامیابی کی کوشش ہاتھ سے نہ دی ظلم کئے تو وہ حد کے مکاری کی تو وہ پوری، لیکن سچی محبت کا گھائل، وہ اچھا دل جو اندرا پہلو میں رکھتی تھی کسی طرح نہ پسیجا، اور جو جس راستہ آیا اسی راستہ چلتا ہوا۔

پڑھنے والو! فراق کی سختیاں ختم ہوئیں، داستان مصیبت سُن لی، شب وصل کے مزے بھی لوٹ لو، ۷ دسمبر ۱۹۱۱ء کی صبح ہے اور آج ماہ جبین اندرا نک سے سک نہاد ھو پہن اوڑھ انتظار یار میں گھڑیاں گن رہی ہے۔ زیور سے لدی پھولوں میں بسی عطر میں ڈوبی، وہ حسن کی لوٹ جس نے ہزاروں کے دل لوٹ پوٹ کئے جھروکوں میں بیٹھی دریا کے اس پار دیکھ رہی ہے، آسمان اس کے استقلال و صداقت پر لطافت کے پھول نچھاور کر رہا ہے، قلعہ معلّٰی کے درو دیوار اس کے انتظار میں شریک ہیں اور جمنا اس کی کامیابی پر مبارک باد کے نعرے لگا رہی ہے، مشرقی میدانوں سے آفتاب عالمتاب کے بلند ہوتے ہی ثابت قدمی کے مبارک فرشتے آسمان

محبت سے نیچے آئے خلوص کی کشتی عصمت کے خلعت فاخرہ سے جھلمل جھلمل کرتی ہاتھ میں تھی، اور وفاداری کے گجرے ارمانوں کی ہوائیں مہک رہے تھے۔

خوشا نصیب! سرزمین شاہجہان آباد! ایک اندرا کی بدولت، تیری شان و شوکت کا ڈنکا روئے زمین پر بج گیا، کفران نعمت گناہ کبیرہ ہے اسی کا طفیل ہے کہ جمنا کا وہ کنارہ جو ببول کے کانٹوں سے پٹا پڑا تھا آج گلاب کے پھول گود میں لئے کھڑا ہے، بیلے جیسے خارستان۔۔۔ کوٹلے جیسے بیابان، اسی کے صدقہ میں چمنستان ہو گئے، شاہجہان آباد اگر تیرے کھنڈر ان خزانوں سے مالا مال تھے جن کا اب دنیائے ادب میں کال پڑ گیا تو تیرے باغیچے آج ان رنگ برنگ کے پھولوں سے شاداب ہیں جن کی مہک آسمان تک پہنچ رہی ہے، شاہجہان آباد انصاف کی آنکھیں کھول تعصب کی عینک دور کر، اور تامل کی نظر سے دیکھ اسی سہانی صبح کو، نورانی فرشتے تیرے سینہ پر چڑھے ہوئے گلشن میں نازل ہو رہے ہیں، دیکھ، دیکھ، شاہجہان آباد دیکھ، تیری نازدوں کی پلی ماہ جبین اندرا کی بارگاہ آج محبت کے فرشتوں کا سجدہ گاہ ہے دونوں فرشتے جھک گئے۔ آگے بڑھے، اور اپنے ہاتھ اندرا کو دلہن بنایا۔

(۱۱)

۱۲۔ دسمبر ۱۹۱۱ء کو ٹھیک گیارہ بجے جس وقت شہنشاہ معظم سلیم گڑھ اسٹیشن سے اتر کر قلعہ معلّیٰ میں قدم رکھا ہے دلّی کی سرزمین خوشی

مارے اُچھل پڑی اور یہ آواز سنائی دی ۔

"میں اندرا نہیں" "اندر پرستھ" "اندر پرستھ" نہیں ۔ شاہجہان آباد"
"شاہجہان آباد" نہیں دلّی ہوں ۔ وہ جوگی راجہ یہ حضرت لنگوہی کا سردار تیمور
وزیرزادہ نادر اور مرہٹے سیواجی تھا جنہوں نے مجھے لوٹ مار کر برباد کیا!
اور آج یہ مبارک قدم میرے محبوب کے ہیں جس کو خواب میں دیکھا تھا ۔

آج میرا مطلوب ایک عظیم الشان سلطنت کا شہنشاہ ہے
قدم میرے سر اور آنکھوں پر ہیں ایں اندرا نہیں اندر پرستھ ہوں ۔
"خدا میرے شہنشاہ کی عمر دراز کرے"

ساون کی چڑیاں

برسات کے دن بھی عجب بہار کے دن ہوتے ہیں جہاں دو چھینٹے پڑے اور ہر چیز پر ایک رونق آ گئی گھر کے در و دیوار تک جو پورے برس بھر گرد و غبار میں اٹے رہے۔ ڈھل دھلا صاف شفاف ستھرے اُجلے دکھائی دینے لگے۔ کوئل کوک رہی ہے پپیہا بول رہا ہے۔ مور جھنکار رہا ہے پیڑی الاپ رہی ہے کڑھائیاں چڑھ رہی ہیں۔ جھولے پڑ رہے ہیں۔ کھم گڑ رہے ہیں پینگیں بڑھ رہی ہیں۔ غرض جنگل ہو یا گھر ہر جگہ اس کے آنے کی خوشیاں منائی جاتی ہیں جن درختوں کو پت جھڑ نے ٹھنڈ بنا دیا تھا برسات شروع ہوتے ہی ہری ہری کونپلوں سے مالا مال ہو گئے۔ جنگل میں لمبی لمبی گھاس لہرانے لگی باغوں میں ہریاول نے سکہ جما دیا۔ جن کھیتوں میں گرمی بھر ٹخنوں ٹخنوں مٹی تھی وہاں قد آدم اناج کے درخت کھڑے ہو گئے۔

ساون کے مہینہ میں جب یہ درخت لدے پھندے ہوتے ہیں تو بہت سی چڑیاں اپنا پیٹ بھرنے آ جاتی ہیں۔ لیکن جہاں ساون ختم ہوا اناج کٹنے کی نوبت آئی اور چڑیاں پھر پھر اُڑنی شروع ہوئیں۔

عین بعین یہی حال ہماری لڑکیوں کا ہے کہ ساون کی طرح کوارپنے کے دن میکے میں بسر کر رہی ہیں بڑی ہوئیں بات ٹھہری شادی ہوئی اور یہ جا وہ جا۔

منڈھا جو بیٹی کی وداع کے وقت میراسنیں گاتی ہیں اُس میں بھی اسی طرف اشارہ ہے۔ بیٹی باپ سے کہتی ہے:۔

بیرن کو دینی بابل اونچی رائے اٹریا۔ ہم کو چھایا پردیس رے
ہم تورے بابل ساون کی چڑیاں چگیں اُڑجائیں رے
دھلیاں پربت بھئیں۔ بابل انگنا بھئیو بدیس رے
لے بابل گھر اپنا ہم چلے پیا کے دیس رے۔

اے باپ! بھائی کے واسطے اونچا دو منزلہ تیار کیا اور ہم کو پردیس پہنچایا۔ اے باپ ہم تو ساون کی چڑیاں ہیں جب تک تقدیر میں دانہ پانی ہے تیرے ہاں کھا پی لیں اور چگ چگا کر اُڑ جائیں اے باپ آج تیرا دروازہ ہمارے واسطے اونچا پہاڑ ہوگیا اور تیرے گھر کی انگنائی ہم کو پردیس ہوگئی۔ لے اپنا گھر تجھے مبارک ہو ہم اپنے خاوند کے گھر رخصت ہوئے ٭

ذرا غور کرنے سے ماں باپوں کا دل آپ ہی گواہی دے گا کہ یہ معصوم بچیاں ہمارے ہاں چند روز کی مہمان ہیں۔ پھر نہ معلوم ان کی تقدیر ان کو کیا دن دکھائے۔ یہ کس بیدرد کے پالے پڑیں دنیا کی بہار ان کی تقدیر میں ہو یا نہ ہو۔ ان کو زندگی عزیز ہو۔ یا ظلم سہتے سہتے اور مصیبتیں بھگتتے بھگتتے جینا وبال جان ہوجائے۔ ان کی بےفکری کا زمانہ اور آزادی کا وقت یہی دن ہیں جو میکے میں گزر گئے۔ لیکن یہ زمانہ بھی اگر اُن کا رنج اور کوفت میں گزرا تو ان کے برابر دنیا میں کوئی بدنصیب نہیں ٭

قدرت نے ان کو اس غرض سے پیدا کیا تھا کہ یہ بڑی ہو کر ایک خاندان پر حکومت کریں۔ لیکن ہم نے ان کو محکوم ہی بنا کر بس نہیں کی انکی آزادی چھینی ان کے حق مارے اور اگر لونڈیوں سے بدتر نہیں تو لونڈیوں کے برابر بنا دیا۔

سُنا ہے اگلے زمانہ میں یہ دستور تھا کہ بیٹی کو زندہ دفن کر دیتے۔ یا کنوئیں میں پھینک دیتے تھے یہ دستور کچھ حکومت کا ڈر کچھ علم کا اثر اب بند ہو گیا مگر اُس وقت میں اور اس وقت میں فرق یہ ہے کہ جب زندگی کا خاتمہ تکلیفوں کو ختم کر دیتا تھا اور اب اگر تمام عمر نہیں تو کوارپتے کے دن اکثر تکلیف میں بسر ہوتے ہیں۔

جن خاندانوں میں تہذیب اور علم کے بڑے بڑے دعوے ہیں ان میں بھی میں نے اپنی آنکھ سے دیکھا کہ لڑکیوں کو لڑکوں کے مقابلہ میں کوئی نہیں پوچھتا روزمرہ کی زندگی میں جیسی خاطر و مدارات بیٹوں کی ہوتی ہے۔ بیٹیوں کی نہیں ہوتی۔ جس قدر صرف لڑکے پر ہوتا ہے لڑکی پر نہیں ہوتا۔ اکثر ایسا بھی ہوتا ہے کہ کھانے پینے کی کوئی اچھی چیز موجود ہوئی تو ماں نے بیٹوں کو دے دی اور بیٹیوں کو یہ کہہ کر سمجھا دیا کہ تمہیں کچھ اور دے دیں گے اور یہ مظلوم معصوم بچیاں دل مار کر بیٹھ گئیں۔

کپڑے اپنی اپنی حیثیت کے موافق جیسے لڑکوں کے ہوتے ہیں لڑکیوں کے نہیں ہوتے۔ کھانا جیسا لڑکوں کو ملتا ہے لڑکیوں کو نہیں ملتا۔ غرض جو عزت اور جو محبت بیٹوں کی ہوتی ہے بیٹیوں کی نہیں ہوتی۔

لیکن سوال یہ ہے کہ یہ بدنصیب لڑکیاں کیا دل نہیں رکھتیں کیا ان کے منہ پر آنکھیں نہیں ہیں؟ کیا یہ ماں باپ کے اس برتاؤ کو نہیں سمجھتیں؟

بیٹا بیٹی والی ماؤں! انصاف کو ہاتھ سے نہ دینا سوچو اور بتاؤ ان بیچاریوں کا دل اس وقت کیا کتنا ہوگا جب یہ دیکھتی ہوں گی کہ روغنی روٹیاں تر بتر پراٹھے بھائیوں کو مل رہے ہیں اور بچا بچایا ان کو۔ مرد اس معاملہ میں گنہگار نہیں اس کی ذمہ دار تم ہو گھر تمہارے ہاتھ میں ہے اگر تم بھی ان کے دل نہ رکھو گی تو تم سے زیادہ شفیق ان کو کون ملے گا؟

یہ تمہارے پاس سدا رہنے والی نہیں اور چند روز کی مہمان ہیں یہ ایسی جائیں گی کہ ان کی صورتوں کو ترسو گی۔ تمہارے گلے میں نوالے اٹکیں گے اور ان کو نہ کھلا سکو گی یہ تم سے سینکڑوں ہزاروں کوس دور رہیں گی۔ تم اس وقت منگانا پکانا، کھانا کھلانا یہ تم سے حصہ لینے نہ آئیں گی تمہارے بیٹے تم کو مبارک۔ بہوئیں لائی نصیب تمہارا اُن کا عمر بھر کا ساتھ ہے مگر ان کا تمہارا ساتھ اور کچھ روز ہے۔

آیندہ کی خبر تو بیٹوں کی بھی نہیں مگر وہ کسی کا ہاتھ تکنے والے نہ ہوں گے، یہ ایک ایسے شخص کے بس میں ہوں گی جو اپنی مرضی پر چلائے گا۔ اپنے حکم پر اُٹھائے گا اور اپنی ہوں پر بٹھلائے گا۔ یہ ایسے پنجرے میں قید ہوں گی جہاں کوئی ان کا حمایتی نہ ہوگا یہ بےفکری کی نیند اسی وقت تک ہے جبتک تمہارے گھر میں ہیں یہ اطمینان۔ یہ کھیل کود تمہارے ہی در پر چھوڑ جائیں گی۔ جس وقت دوسرے گھر میں جا داخل ہوئیں چاروں طرف کے فکر

ان کے سر پر سوار ہوں گے اور یہ دھاڑے کی سونے والیاں چار بجے سے اُٹھ کر پانی گرم کریں گی۔

کیوں بیٹی وا لیو! جس وقت تم لڑکوں کی غلط حمایت لے کر جھڑکتی ہو ان کو مارتی ہو اور یہ بے گناہ حسرت سے تمہارا منہ تک کر چپکی ہو جاتی ہیں اس وقت ان کے دل پر کیا گزرتی ہو گی اگر میکے میں بھی اُنہوں نے چین نہ کیا تو سسرال جا کر کچھ تم نے کیا ہو گا کچھ یہ کریں گی۔

بعض مسلمان ماؤں کا خیال ہے کہ جب اللہ ہی نے ان کے حق آدھے کر دیئے تو پھر ہم کیوں نہ کریں۔ لیکن یہ خیال صحیح نہیں۔ خدا نے بیٹیوں کے حق اگر آدھے کئے ہیں تو ماں باپ کے بعد جیتے جی نہیں اور وہ بھی اس لئے کہ آٹھواں حصہ اور مہر ادھر لگا دیا ہے۔

مسلمانوں میں بہت کم خاندان ایسے ہوں گے اور تعجب نہیں کہ بالکل ہی نہ ہوں۔ جہاں لڑکیوں کی پرورش اسی طرح کی جاتی ہو جس طرح لڑکوں کی اس اعتراض پر کہ ایسا کیوں ہوتا ہے اکثر مائیں کہتی ہیں کہ ان کے دینے کا وقت ایک ہی ایسا چلا آرہا ہے کہ یہ گھر کی جھاڑو تک سمیٹ کر لی جائیں گی لیکن کیا کوئی ایسی مثال بتا سکتا ہے کہ بیٹی کے بیاہ پر ایک ماں نے دو ہزار اُٹھا ڈالے اور بیٹے کے وقت دو سو بھی نہ جڑے جو ماں باپ بیٹی کا بیاہ دو ہزار میں کرنے کی توفیق رکھتے ہیں اور کرتے ہیں وہ بیٹے کا بھی اس سے کم میں نہیں کرتے پھر کیا وجہ ہے کہ بیٹے تو چمکتے ہوئے لال کہلائیں اور بیٹیاں بھاری پتھر؟ سچ پوچھو تو بیٹیاں کو اپنے میں بیٹوں سے زیادہ شفقت

کی محتاج ہیں۔ لڑکے جوان ہوکر ہر وقت کسی کی رعایت کے محتاج نہ ہوں گے لیکن یہ بے بس بچیاں ہر حال ہیں دوسرے کی عنایت اور محبت کی محتاج ہوں گی اور ان کے ساتھ کوئی رعایت کرنے والا نہ ہوگا۔ اطاعت کریں گی اور پیٹ پالیں گی وہ بھی اگر کسی معقول کے پالے پڑ گئیں۔ جو کہیں تقدیر نے کسی نامعقول کے ہاں دھکیل دیا تو وہ خدمت اور اطاعت کا بدلہ تو الگ رہا یہ بھی نہ دیکھے گا کہ اس کم بخت نے صبح سے شام تک کیا کیا اور کیا کر رہی ہے۔ کوئی اتنا تک پوچھنے والا نہ ہوگا کہ اس بدنصیب پر کیا گزر گئی ؟

ایک اور بات دیکھنے کی ہے وہ یہ کہ جو محبت اور اُنس بیٹیوں ہیں ہے وہ بیٹوں ہیں نہیں صاحبزادوں کی مرضی کے خلاف کوئی بات ہوئی اور وہ شیر کی طرح غرا کر آئے۔ یہ بے زبان بچیاں اگر کھسیانی بھی ہوئیں تو منہ سر لپیٹ کر پڑ رہیں رو دھو کر چپکی ہو گئیں ؟

کون سی عقل اور کونسا انصاف ہے جس نے لڑکوں کو عزیز اور لڑکیوں کو ذلیل بنا دیا؟ اگر ان مظلوموں سے اتنا بھی سلوک کیا جائے جتنی یہ خدمت کرتی ہیں تو بھی لڑکوں سے اچھی پڑ رہیں گی۔ سینا پرونا کھانا پکانا کون سا کام ہے جس ہیں یہ بیچاریاں ماؤں کو مدد نہیں دیتیں؟ بہن بھائیوں کو پالیں اماں باوا کی خدمت کریں غرض صبح سے شام تک کسی وقت خالی بیٹھنا نصیب نہ ہوا اس پر ان کی یہ قدر کہ "ماں کے گھر بیٹی گودڑ لپیٹی"۔

خدا کو خدا۔ اور حشر کو حشر سمجھنے والی مائیں یقین کر لیں کہ جس روز وہ ایک زبردست بادشاہ کے حضور میں کھڑی ہوں گی اس وقت اُن کو جواب

دینا ہے کہ ان بے داموں کی لونڈیوں اور مفت کی باندیوں کی کس قصور
اور کون سی خطا میں ایسی بے قدری کی؟ یہ اپنی پرورش میں تمہاری
محبت کی اتنی ہی محتاج تھیں جتنے لڑکے۔ وہ مائیں جو آج بیٹے اور بیٹیوں
میں فرق کر رہی ہیں اس کا جواب سوچ لیں ورنہ اس نازک وقت اور
انصاف والے میدان میں اس کا بدلا بھگتنا پڑے گا۔

امید اور نہ صرف امید بلکہ یقین ہے کہ اس مضمون کو پڑھنے والی
مائیں کسی فرصت کے وقت میں اس معاملہ پر غور کریں گی۔ وہ شروع سے
آخر تک نظر ڈالیں گی تو ان کو آسانی سے معلوم ہو جائے گا کہ پہلی
بے انصافی تو لڑکیوں کے ساتھ یہ ہوئی کہ پیدا ہوتے ہی گھر بھر میں
سناٹا چھا گیا۔ انہوں نے اپنی میٹھی اور بھولی بھالی باتوں سے دل
میں گھر کیا۔ سیانی ہوئیں تو اور سہم چڑھا۔ مگر یہ اپنی خدمت اور اطاعت
سے ساتھ ہی لگی لپٹی رہیں۔ تم ان کو پرائے گھر کا کوڑا کہو اور یہ تمہارے سر
میں درد سن لیں تو سو کام چھوڑ چھاڑ تمہارا سر دبانے آ بیٹھیں۔ بساط
کے موافق اور بڑھ کر اپنی عمر کے لائق خدمت کریں۔ تم سو کر نہ اٹھو یہ گھر کو
چندن کر کے رکھ دیں۔ راتوں تمہارے ساتھ جاگیں۔ دنوں تمہارے پاس
کام کریں۔ بہنوں کو بہلائیں۔ بھائیوں کو کھلائیں۔ سی کر پہنائیں۔ پکا کر
کھلائیں۔ ان کی خدمت اور محبت کا یہی بدلا ہے کہ تم ان کی بات تک نہ
پوچھو۔ باپ کی خدمت کو یہ حاضر، ماں کی مدد کو یہ موجود۔ تمہاری آنکھ میلی
ہو اور ان کی آنکھ میں آنسو آ جائیں۔ تم ان سے بیزار، یہ تم پر پروانہ۔ تم

اُن سے بھاگو یہ تم سے لپٹیں۔ ان پر نہیں تو ان کی مجبوری پر رحم کرو جس کے ہاتھ میں پکڑا دو انہیں عذر نہیں رہیں تو راضی چلیں تو خوش۔

جس طرح مصیبت بھری دنیا تمہاری آنکھوں کے سامنے ہے اسی طرح ان کے سامنے ہوگی! ان کو ان جھگڑوں سے الگ تھلگ سمجھو تو اسی وقت تک جبتک تمہارے در پر بیٹھی ہیں یہ تھوڑے سے دن پل مارتے بسر ہوں گے اور وہ وقت آن پہنچے گا جب تم اپنے گھر سے انہیں رخصت کرو گی تمہارے گھر کا ایک ایک کونہ ان پر روئے گا۔ جن چیزوں کو یہ آج اپنا سمجھ رہی ہیں یہ اُن سے چھوٹیں گی یہ دن پھر ہاتھ نہ آئیں گے اور جب یہ مہمانی ختم ہو گئی تو پھر یہ دوسروں کے قبضہ میں ہوں گی میکے میں بھی اگر خوش نہ گئیں تو انھوں نے دنیا کا کیا دیکھا۔ بیٹی والیو! وقت کو جاتے دیر نہیں لگتی یہ ہی چار چار پانچ پانچ برس کی ببنائیں جو آج باتیں ملکاتی پھرتی ہیں ان کی پالکیاں آن لگیں۔ اُٹھوا نہیں سوار کراؤ۔ سنو یہ کیا کہہ رہی ہیں اور سوچو کہ سچ ہے یا غلط:

کچھ عرض کرنے ماؤں سے	آئی ہیں یہ دکھیاریاں
صورت سے ظاہر بے کسی	چہرے سے حسرت ہے عیاں
جس حال میں رکھا رہے	ہم نے نہ کی زنہار اُف
رکھی ہو آدھی بات گر	منہ پر تو کٹ جائے زباں
جو آ گیا وہ لے لیا	جو دے دیا وہ کھا لیا
جب نیند آئی پڑ رہے	ہم نے جگہ پائی جہاں

شرم و حیا عادت رہی — صبر و رضا شیوہ رہا
ہنسنے تک کے چسکے ہوگئے — بے وجہ کھائیں گھرکیاں
گو بھائیوں کے ہاتھ سے — پٹتے رہے کٹتے رہے
اتنی نہ تھی ہمت مگر — کرتے کبھی تم سے بیاں
اب ظلم کی حد ہو چکی — انسان ہیں آخر کو ہم
گو منہ سے ہم خاموش ہیں — دل سے نکلتا ہے دھواں
کنبہ کی طاعت ہم نے کی — گھر بھر کی خدمت ہم نے کی
تم چین سے سوتیں اور ہم — بہنوں کو دیتے لوریاں

بیٹے مبارک ہوں تمہیں مہماں کو رخصت کرو
وہ وقت آخر ہو چکا اب ہم کہاں اور تم کہاں؟

اب ہم کو دنیا ہے نئی — دانا نیا پانی نیا
جانا ہے ایسے دیس میں — پردیس سے جو ہے سوا
چلنا ہزاروں کوس ہے — رستہ کٹھن منزل کڑی
چاروں طرف سنسان ہے — اور سر پہ بادل چھا گیا
دم بھر میں طعنوں سے کریں — چھلنی کلیجہ گود کر
پتھر سے بدتر جن کے دل — ان سے ہمیں پالا پڑا
کھٹکیں نہ پھانسیں ساس کی — ہنس ہنس کے ہم باتیں سنیں
آ کر بڑوں کی لاج کا — ٹھہرا ہے اس پہ فیصلہ
فاقوں پہ فاقے ہوں اگر — رہنے کو چھپر ہو نہ در

ہو تنگدستی - مفلسی　　آئے نہ مُنہ پر کچھ گلا۔
جو ظلم ہو سہہ لیں اسے　　جو آپڑے جھیلیں اسے
جب مٹ کے ہم ہو خاک تب　　تم کو بنائیں کیمیا
شاباش کیا انصاف ہے - صد آفرین کیا داد ہے
اس پر بھی بیٹی بیاہی کو داخل پڑدسن ہی کہا
غیروں کے جائے اور ہم　　اب گھر پرائے اور ہم
ننھی سی جاں دُکھ سینکڑوں　　سودا ہزار اور ایک سر
سُکھ چین کے دن ہو چکے　　بے فکر نیندیں سو چکے
دن عیش کا شام ہو گیا　　آنے لگے تارے نظر
نکلا لڑکپن بے وفا　　میکا فقط تھی اک سرا
آخر جرس بجنے لگا　　اور آگیا وقتِ سفر
شفقت بھری باتیں کہاں؟　　وہ دن کہاں راتیں کہاں؟
ما با کا پکھوا خواب تھا　　جو آگیا اوّل نظر
آ پہنچی در پہ پالکی　　محنت ہے چودہ سال کی
مل کر گلے رخصت کرو　　ہونے لگی ہے دوپہر
وہ بیٹھے چاول اور گڑی　　باتیں ہیں سب دل میں گڑی
فریاد ہے دل میں بڑی　　آتی نہیں لب پر مگر
دشمن تھی بھائی جان کی؟ جھوٹی تھی بے ایمان تھی؟
قربان اپنی ماں کے ہیں - لونڈی ہیں اماں جان تھی

بدنصیب کا لال

مصیبت کا زمانہ پریشانی کے دن رات کا وقت برسات کا موسم مفلسی
بے کسی بے بسی کس کس کا رونا رو یا جائے ماں باپ بھائی بہند دیور جیٹھ
ساس نند کچھ مر کر چھوٹے کچھ جیتے جی چھوٹے۔ دو دن کی بیاہی چوتھی کھیل
سسرال آئی۔ رستے ہی میں تھی کہ ماں کو بخار چڑھا اور ایسی گھڑی کا چڑھا
کہ جان ہی لے کے ٹلا اور دے کر ایک یہ سہارا تھا وہ بھی نہ رہا ؀

چوتھی کی دلہن گم تھم سسرال سے چلی اور روتی پیٹتی میکے آئی صبح کو پھول
ہوئے گھر میں مہمان بھرے تھے باہر ابا جان کا نکاح ہو رہا تھا۔ قصہ مختصر اماں
یوں گئیں ابا یوں گئے! اور کوئی اول تو تھا ہی نہیں اور جو تھیں بھی تو ایک
رشتے کی نانی وہ آپ جٹھانی کے ٹکڑوں پر تھیں ساٹھ پینسٹھ برس کی بڑھیا
پھوس بھری بھنڈ منہ میں دانت نہ پیٹ میں آنت بات کی نہ چیت کی کام
کی نہ کاج کی ہونا نہ ہونا دونوں یکساں ؀

بھائی جس کے دم سے میکا ہے بدنصیب دلہن کا کوئی نہ تھا۔ بہنیں کہنے
کو تو ماشاءاللہ ایک چھوڑ دو دو مگر دونوں اپنے اپنے گھر بار کی ایک خوشحال
وہ پردیس دوسری شہر میں وہ کنگال اور کنگال بھی کیسی کہ اناج تک کو
محتاج بغرض میکے میں تو نہ کوئی نام لیوا نہ پانی دیوا لے دیکے ایک باپ کا
دم سمجھو وہ کہیں بیٹی کی مرنی آج ہی مر جائے تو ہیں سوتیلی اماں وہ ایک

دفعہ کیا کئی دفعہ اور اپنوں میں نہیں محلے والوں تک کے آگے اور چوری چھپے
نہیں ہانکے پکارے اور کھلے خزانے کہتی زندہ کو روٹی کیسی اللہ کرے
مردے کو کفن بھی میسر نہ ہو:

ساس جب تک زندہ رہیں بہو کے قدموں کے نیچے آنکھیں بچھائی رہیں
امیری نہیں غریبی اور غریبی کیسی کہ فقیری چھ۶ ساڑھے چھ روپیہ کی آمدنی خرچ
پورا۔کال پڑا ہوا مگر صبح کا ناشتہ مرتے دم تک ناغہ نہ کیا! وہ جیتی رہیں تو جمیلہ
کو یہ دن نہ دیکھنا پڑتا پیٹ بھر کر نہ ہوتی آدھا پیٹ! سالن نہ سہی روکھی۔
روکھی نہ ہوتی سوکھی! دو وقت نہیں ایک وقت! تازہ ہی نہیں باسی! گھر کی
نہیں بازار کی! بازار کی نہیں محلہ کی! غرض پوری آدھی! اونی پونی! اچھی بری
اشتم پشتم کسی نہ کسی طرح پیٹ میں پڑ جاتی یہ نہ ہوتا کہ صاف تین وقت کا
کڑا کا گزر گیا اور چوتھے وقت بھی اللہ ہی اللہ ہے:

ساس کا مرنا بہو کے سر پر دنیا بھر کی تکلیفوں کا دھرنا تھا کچھ ایسی ہوا
چلی اور ایسا نصیبہ پھوٹا کہ چاروں طرف سے مصیبت کا پہاڑ ٹوٹ پڑا برس
کے اندر ہی اندر گھر بھر کی صفائی ہوگئی! میراں جی ہیں ساس ہیں دونوں
نندیں رجب ہیں دیور غرض تین مہینے میں چار جنازے ایک گھر سے نکل گئے!
ساری کائنات دو باپ بیٹے باقی رہے۔شرارت کا چاند ایسا بھاگوان آیا کہ
ابا جان بھی چل بسے دو ٹکڑوں ٹوں ایک میاں ہی میاں رہ گئے۔پانچ روپیہ
باپ کی پنشن کے تھے وہ بند ہوئے ایک روپیہ ماں کے دم تک تھا وہ بھی ختم
ہوا۔اب آمد نے چاہیے کھاؤ چاہیے پیو چاہے اوڑھو چاہو بچھاؤ کچھ دن

یوں بھی گزرے مگر کہاں تک اور کب تک؟ کچھ نہ ہو تو دو میاں بیوی ہیں سیر بھر آٹا روز تو ہو مگر ہو کہاں سے؟ بیوی معذور میاں مجبور اُس پر طرہ یہ کہ ادھر آیا زچہ خانہ اُدھر آیا رمضان۔ دونوں کے چھکے چھوٹ گئے زچہ خانہ کا تو ایک بہانہ تھا۔ دلوں میں غبار بھرے ہوئے تھے! میاں بیوی کو دیکھ دیکھ کر جلتے تھے بیوی میاں کو دیکھ دیکھ کر جھلستی تھیں۔ اٹھائیسواں روزہ ہوگا چار بجے کے قریب بیوی کو بخار چڑھا! میاں سے کہنے لگی:۔

ایک روزہ اور رہ گیا ہے اللہ یہ بھی پورا کرا دے!

میاں۔ ایک ہو یا دو ہیں تو جیسا پریشان اب کے رمضان بھر رہا میرا ہی دل جانتا ہے! اماں جان کے سامنے میرے تیسوں روزے ہوتے تھے اب کے ایک پہلا اور ایک منجھلا کل دو ہوئے! کیا کھا کے رکھوں اور کیا دیکھ کے کھولوں؟

بیوی۔ مجھ سے پہلے رکھتے ہو تو خیر نہیں، اگلے برس تو تم نے ایک بھی نہیں رکھا تم کیا اللہ بخشے خود ابا جان ہی گنڈے دار رکھتے تھے گھر بھر میں ایک اماں جان البتہ روزے کی پابند تھیں باقی تو سب چھوٹے اور بڑے دن دہاڑے دھڑلے سے کھاتے تھے۔

میاں۔ تم ایسی بیہودہ باتیں کیوں کرتی ہو؟ پندرہ دن کی بیاہی چالوں کی دلہن تم کو کیا معلوم کس کو روزہ ہے کس کو نہیں؟ جو دل میں آیا کہہ دیا جو منہ میں آیا بک دیا۔ وہ ہیں آئیں تو چھوٹے بڑے مردہ زندہ سب کو اکھاڑ پھینکا۔

بیوی۔ سبحان اللہ۔ اُدلہن تھی اندھی تو نہ تھی! منہ پر گھونگھٹ تھا یا کانوں میں ٹینٹیاں! دیکھتی نہ تھی سنتی تو تھی! پکنا تھا۔ اور میں جانتی نہ تھی کہ کھانے تھے اور مجھے خبر نہ ہوتی تھی۔

میاں۔ جب کیا ہیں تو اب بھی اور فقط اندھی ہی نہیں اس کے ساتھ بدتمیز بے ڈھنگی پھوہڑ بےسلیقہ بلکہ اس سے بھی بدتر سمجھتا ہوں۔ ایسی نیک قدم آئیں کہ سب ختم ہو گئے۔

بیوی۔ میں منحوس تھی کہ گھر بھر کو موس لیا! ساٹھ برس کے بڈھے پھوس میں کھا گئی! تم تو بھاگوان تھے کہ میری جوان اماں کو نوش جان کر گئے! تقدیر پھوٹنی تھی پھوٹ گئی۔ پیٹ بھرنے کو ٹکڑا نہ تن ڈھانکنے کو چیتھڑا فاقوں تک کی تو نوبت آگئی اور کیا ہوگا۔

میاں۔ ہم نے تو چڑھاوے ہی کے وقت کہہ دیا تھا کہ روکھی بلکہ سوکھی روٹی ہے۔ اماں کی قبر پر جاکر جوتیاں مارو۔ اندھی تھوڑی تھیں! کیا دیکھ کر کیا تھا! ہاتھی جھوم رہے تھے؟

بیوی۔ کیوں مرے ہوؤں کا صبر سمیٹتے ہو! خیر اس تو تو میں میں سے کیا حاصل میں تو ڈیڑھ کلام جانتی ہوں ہاتھ پکڑ کر نکال باہر کر دو۔ تم کو سلام تمہارے گھر کو سلام میں اپنے گھر سے باز آئی! اشراف ہوں گی تو پھر نام نہ لوں گی۔

میاں۔ شرافت کیا ہوئی ایک آفت ہو گئی میری طرف سے تم ابھی بسم اللہ کرو تم نام نہ لو گی تو میرا بھی کوئی پیغام نہ جائے گا۔ بس اب منہ سے کہا ہے تو کر کے دکھاؤ۔

بیوی ہی آگ لگے ایسے بیاہ کو اور بھاڑ میں جائے ایسا سہاگ! اذان کی آواز کان میں آرہی ہے روزہ نماز سب گیا گزرا ہوا۔

دن بھر کا روزہ رات بھر کا فاقہ مٹکے پاس گئی تو پانی کی بوند نہیں آبخورے میں لون ڈھونڈھا وہ نہ ملا کٹورے میں دو چھوہارے رکھے تھے وہ چوہے لے گیا۔ چولہے کے پاس یہ کہتی ہوئی آئی!

"خاک میں ملوں میں رکھتی جو راکھ سے روزہ کھولوں"!

چوبیس پچیس گھنٹے کی بھوکی پیاسی بخار چڑھا ہوا آنکھوں میں حلقے زبان پہ کانٹے ہاتھ میں طاقت نہ پاؤں میں سکت روزہ کھول کر نماز کو چلی! چکر آیا اور چکر کے ساتھ ہی دیوار کی ٹکر اس زور سے لگی کہ سر پکڑ کر بیٹھ گئی! رو کر کہا!

"بس میں بہت جی! اب خدا مجھ کو موت دے"۔

بیوی نماز کو کھڑی ہوئیں میاں نے اپنا اسباب باندھنا شروع کیا وہ اسباب ہی کیا تھا پرانے تین جوڑوں کی ایک گٹھڑی ٹوٹا ہوا حقہ پھٹی ہوئی رضائی چوکا تکئے ایک چلتا پھرتا رہا! بیوی کھڑی دیکھتی کی دیکھتی ہی رہی اور میاں اپنا اختر بختر لے لوا یہ جا وہ جا۔

گئے اور ایسے گئے کہ بچہ تک ہو گیا اور بچے کے باپ نہ پلٹے۔

اچھے تھے یہ امیر فقیر کیا عورت کیا مرد شریف رذیل معزز ذلیل ہندو اور مسلمان بڈھے اور جوان کچھ دیکھے اور کچھ ہوتے مگر یہ اندھیر کہیں دیکھا نہ سنا تھا ولادت کے دن بیوی پہلوٹی کی زچہ سر پر ساس نہ اور کوئی پاس تانبے کا برتن نہ گہنے کا نام ماں سوتیلی باپ بیزار اور میاں کو گھر میں قدم رکھنا حرام! کمبخت صورت شکل

کا اچھا جوان تندرست پڑھا لکھا موٹا تازہ کچھ نہ ہوتا تو چپڑاسی تو ہو جاتا، مگر کون ہوتا اور کیوں ہوتا! بری صحبت نے غیرت اور حمیت سب غارت کروا دی! مزے سے تاش، پچیسی اور چین سے سلفی کھینچیں! دن بھر بھڑ دوں میں رہے رات کو جہاں جگہ ملی پڑ رہے!

"تکلیف ہو خواہ آرام عمریں ختم ہو رہی ہیں اور زمانہ اڑا چلا جا رہا ہے" وہ وقت آن بھی پہنچا اور نکل بھی گیا۔ کسی کا کام اٹکا نہیں رہتا خدا اسلام کی بیوی کا بھلا کرے ساس سے زیادہ اور ماں سے بڑھ کر خدمت کی۔ بچہ ہوا پلا! بڑھا! جس رات کا یہ ذکر ہے ماشاءاللہ برس سوا برس کا تھا!

برسات کے دن تو تھے ہی مینہ کا برسنا کوئی نئی بات نہ تھی مگر خرابی یہ ہوئی ادھر تو بڑا مینہ اور مینہ بھی کیسا کہ موسلا دھار اور گھنٹہ نہ آدھ گھنٹہ بلکہ پورا چار پہر اوپر سے چلی ہوا اور وہ بھی پُروا۔ ہوا کیا ایک طوفان تھا کہ مکان اور دکان ور اور دالان اڑ اڑ کر نئے آ رہے تھے نہ اندھیا ڈکم ہوتا تھا نہ جھکڑ تھمتا تھا۔ رات کا سناٹا! ہوا کا فراٹا! کڑک! چمک! مردوں تک کے کلیجے دہل رہے تھے! بارش کیا ایک آفت بلکہ قیامت تھی کہ جانوں کے لالے پڑ گئے عورتیں اور مرد بڈھے اور جوان! گھر بار کمرے دالان کپڑے لتے اوڑھنا بچھونا! روپیہ پیسہ چاندی سونا! گہنا پاتا برتن بھانڈا پلنگ چارپائی سب چھوڑ چھاڑ انگنائی میں آ بیٹھے! بھیگیں گے تو بلا سے جان تو بچے گی۔ ہر طرف آفت بپا تھی۔ مکان گرا! دیوار آئی! سائبان اڑا! چھل نکلی! چھجہ پھولا! زینہ پھٹا! آدھی رات اور خلق خدا کی گریہ و زاری! مینہ کیا ایک چاند

رہی تھی کہ چاروں طرف سے دُھواں دھوں آوازیں آرہی تھیں ۞

حمیدہ غریب بدقسمت بدنصیب عورت ذات کوئی سنگ نہ ساتھ اس قیامت کی گھڑی کو اکیلی کھڑی گزار رہی تھی! قدرت کے کھیل تھے چراغ تھا نہ تیل! اندھیرا گھُپ اور اس آفت کا سامنا! بدقسمتی سے دروازہ میں کواڑ بھی ایک تھا! ہوا کا جھکڑ کواڑ کی دھڑ دھڑ! دم پر بنی ہوئی تھی ذرا کھٹکا ہوا اور جان نکلی! عالی شان محل بڑی بڑی حویلیاں پکّی پکّی محلسرائیں! کوئی گر رہا تھا کوئی جھک رہا تھا کوئی بیٹھ رہا تھا! حمیدہ مظلوم کا مکان تو کس گنتی میں تھا۔ لمبی کوٹھری چھوٹا درا حمام والی دیوار شام ہی کو بیٹھ چکے تھے پاخانہ اور پاخانے کے ساتھ ہی باورچی خانہ اب آگئے!

مینہ کی جھڑی لگی ہوئی تھی اور حمیدہ کھڑی اللہ اللہ کر رہی تھی آسمان پر نگاہ اور بچّہ میں جان دروازے پر دھیان اور درے کی طرف کان! ایسا ہر فتنہ ہو تو کہی جائے ہر طرف مصیبت ہی مصیبت تھی حمیدہ اکیلی کا اللہ ہی بیلی تھا چھت کہتی تھی اب گری در کہتا تھا اب بیٹھا! پہاڑ سی رات ایک کواڑ کا گھر جان کا خوف چور چکار کا ڈر جن بھوت کا اندیشہ الگ ہوا ہو رہا تھا! مٹی تو دوپہر ہی سے جھڑ رہی تھی اب منڈیر کی اینٹیں بھی شروع ہو گئیں! اینٹوں کا گرنا تھا کہ حمیدہ بالکل ہی بے آس ہو گئی بدحواس ہو کر بچّہ کو گود میں اٹھا لیا اور انگنائی میں آن کھڑی ہوئی بچہ کا اٹھانا تھا کہ اس اللہ کے بندے نے بلکنا شروع کیا بہتیرا ہی بہلایا مگر توبہ کس باپ کا بچہ تھا جوں جوں چمکارتی تھی اور دگنا روتا تھا تھپکا دودھ دیا بہلایا پھسلایا ٹہلی

کلیجہ سے لگایا سب ہی کچھ کیا مگر اس کی چیخم دھاڑ نہ تھمی! ہائے ماممتا اُس برس
بھر کی جان پر اپنی جوان جان قربان کئے تھی اس پھول کے رونے میں سب
بھول گئی خدا خدا کر کے صبح ہوتے ادھر مینہ تھما اُدھر بیوا کم ہوئی بچے نے
بھی دم لیا تو ذرا جان میں جان آئی! ایک ٹوٹی ہوئی کھٹولی اندر سے لائی
پھٹی رضائی اس پر بچھائی اور بچے کو کلیجے سے لگا کر انگنائی میں لیٹ رہی! ا
بچہ ہلکان ہو کر جو پڑا ادھر ملی اوری اُدھر ماں کا پھوا دودھ منہ میں لیتے
ہی گلے میں ہاتھ ڈال کر سو رہا! اللہ اللہ! بچے کا کلیجے سے لگ کر سونا تھا
کہ وہ رات بھر کی مصیبت و پریشانی کچھ بھی یاد نہ رہی۔ میاں کی بے اعتنائی
باپ کی لاپروائی اپنی تنہائی سب بھول گئی! ماممتا کے جوش میں زور زور سے
بھینچتی تھی اور کہتی تھی ؛

"نہیں کیا کسی کی پروا کرتی ہوں اللہ میرے بچے کی عمر میں برکت دے
میرا میاں تو یہ ہے"!

زندگی کی تمام خوشیاں اور جوانی کی بہاریں اُس ننھی سی جان پر نثار
تھیں! اُس ہی دم کے ساتھ عمر کی تمام آرزوئیں اور ارمان لگے ہوئے تھے!
لپٹ رہی تھی اور چمٹ رہی تھی اور چمٹا رہی تھی۔ حمیدہ مظلوم اسی طرح
قربان ہو رہی تھی کہ برابر کی مسجد سے آواز آئی! اُٹھی درود شریف کا جزدان
بچے کے پاس لا کر رکھا! وضو کیا اور نماز پڑھنے کھڑی ہو گئی ؛

سارس کی تارک الوطنی

ارنشی کے وسیع میدان میں چاندنی رات آدھی سے زیادہ گذر
چکی تھی اور دامن کوہ میں خاموش چشمہ کے کنارے ایک سارس کا جوڑا
تارک الوطن ہونے کی تیاریاں کر رہا تھا۔ گو ان کے دماغ (یعنی احساس انسانی
کا مرکز) اس قوت سے محروم تھے جو اس قصد کے نقائص و تکالیف ان کی
آنکھوں کے سامنے پیش کر دیتی۔ تاہم وطن کی مفارقت کا اثر ان کے اعضا
جسمانی ان کی حرکات سکنات سے ظاہر تھا۔ دونوں خموشی کے ساتھ کھڑے
پہاڑ کی بلند چوٹیوں کو حسرت کے ساتھ دیکھ رہے تھے۔ آبشار بلندی
سے گرتے تھے اور اس بھولی بھالی مخلوق کی قوت سامعہ ہوا کے تیز
جھونکوں کی بدولت معمول سے زیادہ کام کر رہی تھی۔ دو ڈیڑھ گھنٹہ تک
یہ جوڑا قدرت کی اس دلچسپی اور وطن کے در و دیوار کو غور سے دیکھتا رہا
آخر چاند کی روشنی کا انحطاط سارس کی توجہ میں خلل انداز ہوا اور وہ
آتش فشاں پہاڑ جو قمر چہار دہم کے اندر صاف و روشن نظر آ رہے تھے۔
دھندلے دکھائی دینے لگے ‌+

زمین اپنے محور کے گرد چکر کھاتی ہوئی رات کو کنار صبح تک لے آئی
شیر اور چیتے جن کی دھاڑوں نے تمام جنگل سر پر اٹھا رکھا تھا اپنے اپنے
غاروں میں جانے شروع ہو گئے اور کسی خوش الحان پرندے نے تارک کے رخت

پر سے صبح صادق کا مژدہ سنا دیا ۔

ایک خاص خیال میں اس قدر دیر تک متوجہ رہنے پر بھی نر کی قوت متخیلہ کچھ زیادہ کارآمد نہ ہوئی وہ نہ سوچ سکا کہ غربت میں کیا کیا مصیبتیں پیش آئیں گی اور کیسی کیسی دقتیں اٹھانی پڑیں گی۔ چاند کی روشنی لمحہ بہ لمحہ پھیکی پڑ رہی تھی سارس نے دفعتاً اپنا منہ مادہ کی طرف کیا اس کے کندھوں پر اپنی گردن رکھی اس کے کاسنی پروں کو جو فاختائی مائل تھے آنکھوں سے لگایا اور اس طرح جذبات قلب پورے کر کے کہنے لگا "چل چل پیاری مادہ ایسے میں اڑ جائیں ٹھنڈے ٹھنڈے بہت دور نکل جائیں گے۔ ورنہ مشرقی شہسوار تخت آسمان پر جلوہ گر ہو جائے گا اور پھر تیرے نازک بازو شبابہ گرم ہوا کا مقابلہ آسانی سے نہ کر سکیں گے۔ اٹھ اٹھ من موہنی مادہ چل کھڑی ہو میری زندگی کی تمام خوشیاں تیرے ان چمکدار پروں میں پوشیدہ ہیں تیرا یہ حسن دلفریب میری زندگی برقرار رکھنے اور مجھ کو ہمیشہ کامیاب بنانے کے لئے کافی ہے"۔

چونکہ سارس اپنے سفر کا ارادہ اپنی تارک الوطنی کا قصد شام ہی سے ظاہر کر چکا تھا اس لئے مادہ نے اپنے گلابی مائل سرخ رخسار قریب لا کر پہلے سچی محبت کا جواب دیا اور پھر اس طرح مخاطب ہوئی ۔

مجھ کو حکم کی تعمیل میں عذر نہیں مگر کیا کروں قدرت نے میری سرشت میں یہ مادہ ودیعت کیا ہے کہ میں اس مرغزار کے پتے پتے کی جدائی جہاں میں چھوٹی سے بڑی ہوئی محسوس کروں۔ پہاڑ کی چوٹیاں اس وقت سے

میرے سامنے ہیں جب سے میری آنکھ کھلی آبشاروں کی آوازیں اُس وقت سے میرے کانوں میں ہیں جب سے میں اُن کو سننے کے قابل ہوئی یہ درختوں کے پتّے اور کنارِ نہر کے خودرو پھول جو ہمیشہ سے میری آنکھوں میں بسے ہوئے ہیں ان کا فراق مجھے سخت تکلیف دہ ہوگا۔ اُس پار پہنچ کر نئی زمین ہوگی نیا آسمان۔ نیا دانہ نیا پانی۔ مگر یہ سرزمین جس کے چپے چپے اور کونے کونے پر میرے قدم چلے ہیں مجھ سے چھوٹ جائے گی۔ اور یہ ہوا جس نے مجھ کو تھپک تھپک کر لوریاں دی ہیں مجھ سے کوسوں دور ہو جائے گی۔ آخر مجھے معلوم تو ہو وہ کیا چیز ہے جس نے تم کو ایسا دل برداشتہ کیا کہ وطن جیسی چیز کو عمر بھر کے لئے خیرباد کہتے ہو۔

سارس۔ میں نہیں چاہتا کہ ایسی جگہ زندگی بسر کروں جہاں بیوفا۔ اور خود غرض انسان کا گزر ہو سکے۔ مجھے اندیشہ ہے کہ ایسی نفس پرور مخلوق کے خیالات سے متاثر ہو کر میری آیندہ نسل برباد ہو جائے گی۔

مادہ۔ تم مجھ کو اجازت دو تو میں اس قدر عرض کرنے کی جرأت کروں کہ ہمارا اس حد تک انسان سے نفرت کرنا ایک قسم کی محسن کشی ہے جو ہمارا شیوہ نہیں دنیا بالکل اُجاڑ ہوتی۔ ہم ہی جیسے کائیں کائیں کرنے والے چاروں طرف آباد ہوتے۔ کائنات کی کل ہستی یہ ہوتی کہ لنگوروں کی چھلانگیں چیلوں کی چل چل۔ ہرن چکارے۔ بارہ سنگے۔ سانپ مچھلی۔ کیکڑے۔ کچھوے وغیرہ وغیرہ۔

قدرت کو ضرورت تھی ایک ایسی مخلوق کی جو نظامِ عالم کی داد دے

اور صنعت دنیا کو دیکھ کر صانع حقیقی کے کمال کا اعتراف کرے پس انسان
کی خلقت ضرورت ہے قدرت کی اور یہ اسی مخلوق کا کام تھا کہ اپنی محنت
اور عقل کی بدولت پہاڑوں سے چشمے بہا دیئے اور آسمان پر بے پر و بال اس
طرح پہنچا کہ چاند تاروں تک کی حقیقت معلوم کر لی۔ کیا آپ کو اس سے انکار
ہے کہ یہ طرح طرح کے میوے۔ یہ ہرے بھرے کھیت۔ یہ لہلہاتے ہوئے
درخت جن سے ہمارے گرد و پیش کی زمین مالا مال ہے ہم کو محض انسان کی سعی
سے میسر ہوئے ورنہ پہاڑوں کے سنگریزے ہماری خوراک ہوتی اور کوہ
آتش فشاں کا ملغوبہ ہمارا پانی ؛؛

ایسی اچھی اور کار آمد مخلوق جس کی محنت سے ہم ہر طرح مستفید ہوں
اس قدر نفرت کی مستوجب نہیں ؛؛

سارس۔ مگر انسان جیسی دغا باز شے جو تیری نگاہ میں اشرف اور میری
رائے میں ارذل ہے ہرگز پسند کرنے کے قابل نہیں اس کی سرشت میں دھوکا
اس کی طینت میں دغا اور اس کی گھٹی میں خود غرضی پڑی ہوئی ہے۔ افسوس میں
نے صبح ہی صبح ایک نہایت منحوس چیز کا نام لیا انسان ؟ کیسا انسان ؟ دغا باز
مکار جس کی محبت جھوٹی جس کی باتیں بناوٹی جس کا دل ظلمت کدہ سچا احساس
اس سے کوسوں دور اور اچھے خیال اس سے میلوں پرے دیکھ وہ سورج
کی کرنیں پہاڑ کی چوٹیوں پر پڑنے لگیں اب ہمارا یہاں بیٹھنا ٹھیک نہیں افسوس
آج کا سفر ملتوی ہوا چل پہاڑ پر چل اور حیات انسانی کی کیفیت مجھ سے سن ؛؛
"آٹھ دس برس کا عرصہ ہوا میں بچہ ہی سا تھا ایک رات جب کہ چاندنی

چاروں طرف چھٹکی ہوئی تھی میرے باپ نے باہر نکل کر دیکھا درختوں کے
پتوں اور پہاڑوں کی چوٹیوں پہ ایک نور سا برس رہا تھا۔ پیاری بی بی تجھے
کبھی پردیس جانے کا اتفاق نہیں ہوا اگر رستہ میں میرا قدیمی مکان پڑا تو میں
تجھے دکھاؤں گا کہ وہ کیسا پرفضا مقام ہے۔ دامن کوہ سے چشموں کا اترا اترا کر
اور مچل مچل کر چلنا تجھ کو بتا دے گا۔ کہ فطرت نے میری پرورش کے واسطے کیسی
دلفریب اور دلچسپ جگہ انتخاب کی تھی ہاں تو شب ماہ اپنا بناؤ سنگھار کئے پردہ
دنیا پر جلوہ گر تھی والد مرحوم کا دل سیر کو چاہا مجھے اور میری ماں کو ساتھ لیا اور
ہم تینوں ہوا میں اُڑے۔ تاروں نے بساط فلک کو جبین عروس بنا رکھا تھا ہم
کو کسی خاص جگہ پر جانا مقصود نہ تھا۔ ہوا کے جھونکوں نے پورب کی طرف
دھکیل دیا اور ہم چاندنی کا لطف اُٹھاتے اس ہی طرف روانہ ہو گئے۔

رات ٹھنڈا ٹھنڈا کے اپنا رستہ طے کر رہی تھی ہم جزیرہ ڈاریسوان میں پہنچے
تو ہمارا گزر قصر سلطانی پر ہوا۔ دیکھتے کیا ہیں کہ شہزادہ الیاس بھی ہماری طرح
شب ماہ کا لطف اُٹھا رہا ہے اور اس کی معشوقہ برابر میں بیٹھی ٹھنک ٹھنک
کر باتیں کر رہی ہے۔ الیاس ٹکٹکی باندھے اس کی صورت دیکھ رہا تھا۔ کچھ
عجب قسم کی محبت اس کی آنکھوں سے ٹپک رہی تھی۔ چونکہ محبت کا وہ
مادہ ہمارے دماغ اور خیال سے ارفع و اعلیٰ ہے میں اس کی صراحت سے مجبور
ہوں ایسا معلوم ہوتا تھا کہ شہزادی کی ایک ایک ادا الیاس کا کلیجہ مجروح کر رہی
ہے وہ دیوانہ وار شہزادی پر نثار ہو رہا تھا کبھی اس کے نازک ہاتھ اپنی
آنکھوں پر رکھتا تھا کبھی آراستہ و پیراستہ زلفوں کو سونگھ کر چھوتا۔ کچھ

دیر تک تو اس طرح قلب مضطرب کو تسکین دی اور پھر بیتاب ہو کر کہنے لگا۔

"سلطنت کا لطف بھی اسی وقت تک ہے جبتک کہ تو میری آنکھوں کے سامنے ہو ورنہ شہزادی تمام سامان عیش ہیچ ہے لاؤ گل اندام اپنے پیارے ہاتھوں سے ایک جام دے"۔

شاید عورت کی فطرت ہی میں یہ داخل ہوگا کہ شہزادی الیاس کو اس قدر والہ و شیدا دیکھ کر بے انتہا خوش ہوئی۔ اس کے حسن کی چمک پہلے سے دوچند ہوگئی۔ گلاب سے رخساروں پر سرخی جھلکنے لگی اور ہونٹوں پر مسکراہٹ آگئی چاہتی تھی کہ آگے بڑھ کر شیشہ و ساغر اٹھائے الیاس نے اس کا ہاتھ پکڑا اور کہنے لگا ان ہاتھوں کو اس قسم کی تکلیف دینا منشاء قدرت کے خلاف ہے یہ کہہ کر شہزادہ الیاس نے جام بلورین آگے رکھا شہزادی ساغر تیار کر رہی تھی کہ اتفاق سے شیشہ ٹوٹا اور کلائی بالکل لہو لہان ہوگئی اس وقت الیاس کی بے چینی بیان نہیں ہوسکتی۔ آنکھ سے آنسو نکل پڑے رومال پھاڑ کر کلائی پر باندھا اور کہنے لگا اس خون کا ہر قطرہ میرے کلیجہ سے نکل رہا ہے کاش میرا پورا ہاتھ کٹ جاتا۔ میں مر جاتا شہید ہو جاتا مگر میری وجہ سے اس سرخ و سفید کلائی کو یہ اذیت نہ ہوتی۔

شہزادہ یہیں تک پہنچا تھا کہ میری ماں اپنے خاصۂ فطرت کے موافق والد مرحوم کی طرف متوجہ ہوئی اور کہنے لگی"۔

"سچ یہ ہے انسان سے زیادہ محبت کی قدر کوئی مخلوق نہیں کرسکتی"۔ یہ کہہ کر وہ اور اس کے پیچھے پیچھے ہم باپ بیٹے اڑے اور اپنے گھر کو واپس آگئے۔

مجھے ٹھیک یاد نہیں کہ اس واقعہ کے کتنے روز بعد ایک روز میں سمتِ مشرق سے آرہا تھا رستہ میں جزیرۂ ارسیوان پڑا میرے دل نے گوارا نہ کیا کہ شہزادی کو جس کے ساتھ مجھے اس رات اتنی ہمدردی ہوگئی تھی بغیر دیکھے چلا جاؤں چنانچہ میں قصر سلطانی پر ٹھہر گیا دوپہر کا سنسان وقت تھا اور گرمی نہایت شدت سے پڑ رہی تھی دیکھتا کیا ہوں کہ الیاس غمگین و محزون پڑا رو رہا ہے دفعتہ ایک شخص آیا اور خط دے کر چلا گیا۔ مجھے سخت تعجب تھا کہ الیاس نے سینکڑوں مرتبہ وہ خط کھولا پڑھا اور سر آنکھوں پر رکھا آخر با آواز بلند کہنے لگا "ظالم اب تک اسی ہٹ پر قائم ہے۔ کہ شہزادی کی زندگی میں مجھ سے کسی تعلق کی امید بالکل فضول" خیر یہ کیا بڑی بات ہے۔ لاؤ آج اس قضیہ کا بھی فیصلہ کر دوں یہ کہہ کر الیاس اندر گیا اور آب دار خنجر لا کر باہر نکلا اس کی دھار دیکھی اور کمر میں لگا کر اس کمرہ میں آیا جو میری آنکھوں کے سامنے تھا آہ پیاری یاد آگئی بیان کرتے ہوئے کلیجہ کٹتا ہے۔ وہی شہزادی جو کسی وقت الیاس کے دل پر اچھی طرح قابض اور تمام سلطنت کی مالک تھی سر پر ہاتھ رکھے بیٹھی تھی اور آنکھ سے ٹپ ٹپ آنسو گر رہے تھے الیاس کی صورت دیکھتے ہی شہزادی گھبرا کر اٹھی گو وہ بالکل ساکت کھڑی تھی مگر سر سے پا تک ایک ناامیدی کی تصویر تھی اس کی بڑی اور رسیلی آنکھیں جو اس وقت گلابی ہوگئی تھیں بہ حسرت و یاس الیاس کے چہرہ پر تھیں اور اس کے تکلیف دہ خیالات کی پریشانی کا اظہار اس کی صورت سے ظاہر تھا نرم اور نازک رخسار گلاب کی پنکھڑیوں کی طرح آفاتِ ناگہانی سے مرجھا چکے تھے اور وہ دل جس

میں کبھی عشرت و شادمانی کا راج تھا اس وقت مصائب کی لوٹ بنا ہوا تھا۔

پہلو میں ننھا سا دل رکھنے والی مادہ! مجھے اندیشہ ہے کہ اب واقعات تجھ کو رُلا نہ دیں جس وقت سفاک الیاس نے کمر سے خنجر نکالا اس کی چمک دیکھ کر شہزادی سہم گئی اوسان جاتے رہے تھر تھر کانپنے لگی۔ الیاس آگے بڑھا شہزادی کا ہاتھ پکڑ کر گھسیٹا اور کہا تیرا جام عمر لبریز ہو چکا ہے یہ خنجر تیرا کام تمام کرے گا ادھر آ۔ اور مرنے کے واسطے تیار ہو۔

اتنا کہہ کر خنجر اُٹھایا چاہتا تھا کہ کام تمام کر دے۔ شہزادی نے بہ منت یہ الفاظ کہے:۔

میں بے گناہ ہوں جس دماغ میں آج سے پندرہ بیس برس پہلے میری محبت کے خیالات بھرے ہوئے تھے آج اس میں قتل کی تجویزیں ہیں۔ بادشاہ جن آنکھوں سے آج خون ٹپک رہا ہے یہ کبھی میری طرف پیار و محبت سے بھی اُٹھی ہیں۔ اگر تیری کامیابی صرف میری موت پر منحصر ہے تو میں یہ جان قربان کرتی ہوں۔ لیکن نافرمانی کا الزام میرے اوپر بہتان ہے۔ الیاس وہ کام نہ کر کہ میرے دونوں بچے دنیا میں ذلت کی زندگی بسر کریں۔ میں جانتی ہوں کہ تھوڑی دیر میں میرا جسم اس فرش پر تڑپ رہا ہوگا اور جب تک تیری آنکھیں مجھ کو مردہ نہ دیکھ لیں دل ٹھنڈا نہیں ہو سکتا۔ میں اپنا خون معاف کرتی ہوں بائیس برس تیرے ساتھ زندگی بسر کی۔ تیری بدولت دنیا کے لطف اُٹھائے ایک ایسے رفیق کو جان نذر کر دینی کوئی بڑی بات نہیں۔

اب میں اجازت دیتی ہوں کہ تو شوق سے اپنی خواہش پوری کر۔

ابھی یہ پہلا فقرہ ختم بھی نہ ہوا تھا کہ ظالم الیاس نے آبدار خنجر کو حرکت دی اور عین اس وقت جب کہ مظلوم شہزادی کی آنکھیں اپنے خاوند کے چہرہ کو تک رہی تھیں اس کے کلیجہ میں بھونک دیا۔

کیوں مادہ! کیا وہ مذہب اور اخلاق اور قانون جس پر انسان بہت کچھ نازاں ہے اور سمجھتا ہے کہ ابتدائے دنیا سے آج تک ہم نے بہت کچھ ترقی کر لی یہی تعلیم دیتا ہے؟ کیا وہ شہزادی جس نے عفت و عصمت جیسی چیز قربان کر دی کیا وہ عورت جس کو الیاس نے زبردستی اپنی محبت کا یقین دلایا اسی سلوک کی مستحق تھی؟ کس طرح سنگ دل الیاس کا ہاتھ ایک بے گناہ برسوں کی رفیق اور برسوں کی ساتھی عورت پر اٹھا۔

یہ کچھ ایسا درد انگیز سماں تھا کہ میرے پیر شل اور ہاتھ پاؤں ٹھنڈے ہو گئے طاقت پرواز نہ رہی۔ آفتاب غروب ہو چکا تھا میں نے وہیں بسیرا لیا اور رات کو جس وقت میں نے یہ دیکھا کہ ایک نئی عورت الیاس کی خوابگاہ میں داخل ہوئی اور الیاس اس کے استقبال کو اٹھا مجھ میں دیکھنے کی تاب نہ رہی میں اڑا اور راتوں رات اپنے گھر پہنچا۔

میرا دماغ اس وقت بالکل صحیح نہ تھا پریشان خیالات نے میری تمام قوت زائل کر دی تھی ہر چند چاہتا تھا کہ تھوڑی سی نیند لے کر دماغ کو تسکین دوں۔ مگر بے گناہ شہزادی کی آخری گفتگو میرے کانوں میں موجود تھی اور کسی طرح نہ بھولتی تھا۔

بہ قت تمام رات بسر کی لیکن کائنات کی اس قابل ناز شے یعنی انسان کے مطالعہ کا مجھ کو اس قدر شوق ہوا کہ میں پھر آبادی میں پہنچا شہر میں ایک پہاڑی تھی جس پر سہ منزلہ اور چومنزلہ مکان بنے ہوئے تھے ان میں سے ایک بلند مکان دیکھ کر میں ممٹی پر جا بیٹھا +

قوت مشاہدہ میری مددگار تھی تمام شہر میری آنکھ کے سامنے تھا اور میری آنکھ افعال انسانی پر بغرض تحقیقات پڑ رہی تھی میرا خیال تھا کہ وہ مابہ الامتیاز شے جس نے اس مخلوق کو اشرف بنا دیا حیات انسانی کی رہنما ہوگی مگر مجھے یہ دیکھ کر افسوس ہوا کہ ان سینکڑوں اور ہزاروں ذی روح لوگوں میں ایک متنفس بھی ایسا نظر نہ آیا جس پر انسان کا اطلاق جائز ہو سکتا +

اُن بخارات کی طرح جو شدت حرارت و تمازت آفتاب سے پہاڑ کی چٹانوں یا تپتے ہوئے کُرہ زمین سے نکل کر ہوا میں اُڑتے رہتے ہیں میری نگاہ ابھی تک کہیں ٹھہری نہ تھی اور مطالعہ انسان کے اشتیاق نے مجھ کو اس قدر بےتاب کر دیا تھا کہ قوت باصرہ کی رفتار حد آخر تک پہنچ چکی تھی۔ رنگ برنگ کی اشیاء مختلف ہیئت و صورت کے اجسام سامنے سے گزر رہے تھے مگر چونکہ متجسس نگاہ سرعت کے ساتھ دیکھ رہی تھی میں ان میں سے کسی کو تمیز نہ کر سکا یہاں تک کہ ایک زرد دوپٹہ بیچ میں آ کر حائل ہوا اور میری تمام توجہ اپنی طرف کھینچ لی۔ یہ دوپٹہ انسان کے اُس کمزور فرقے کے سر پر تھا جو عورت کے نام سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ لیکن یہ کپڑا بجائے سُرخ رنگ اور چمک دار ہونے کے پھٹا ہوا اور میلا کچیلا تھا + الیاس کے ظلم اور شہزادی کی منت و زاری نے میرے

دل میں اس فرشتے کی حمایت پیدا کر دی تھی میں نے سر سے پاؤں تک اس عورت کو دیکھا۔ گو شہزادی کی طرح اس کے پاس دلفریبی کا کوئی سامان نہ تھا اور باوجودیکہ ہوا کے ٹھنڈے ٹھنڈے جھونکے بجائے دل و دماغ کو تر و تازہ کرنے کے اس چار دیواری سے جس میں یہ موجود تھی ٹکرا ٹکرا کر واپس جا رہے تھے تاہم اس کے چہرہ سے خوشی کا مینہ برس رہا تھا جہاں تک میرا خیال جیوانی کام دے سکا میں اس نتیجہ پر پہنچا کہ فکر و غم کی گھٹا اس کے قلب سے بالکل نا آشنا ہے۔ افسوس میرے نتیجے نے مجھ کو مغالطہ دیا میں نہ سمجھ سکا کہ یہ حالت مستقل نہیں عارضی ہے اور یہ زور کا چھینٹا تھوڑی دیر بعد کھل جائے گا اور یہ دل جو اس وقت باغ باغ ہے اس پر حوادث کی بجلی چمک چمک کر اور کڑک کڑک کر گرے گی +

یہ عورت ایک ٹوٹے سے کٹہرے کھٹولے پر صحن میں بیٹھی تھی اور اندر اس کی تین چار ہم جنسیں مختلف کاموں میں مصروف تھیں۔ اس زرد دوپٹہ میں مجھے کوئی چیز کلبلاتی ہوئی نظر آئی وہ کوئی بے جان نہ تھی جاندار تھی اور طاقتور تھی اور یہ کوشش کر رہی تھی کہ کسی طرح اس چھپٹے ہوئے دوپٹہ کو ہٹا کر باہر نکلے۔ مگر عورت کی طاقت غالب تھی وہ چاروں طرف سے دوپٹہ کو چھپاتی تھی اور چاہتی تھی کہ یہ قوت اور اس کا یہ فعل ان ہم جنسوں کے علم میں نہ آئے جو سامنے ہیں۔ کچھ دیر تک ان دونوں میں کشمکش رہی اور بالآخر چھوٹی طاقت میں بڑی طاقت کی طرف سے تھوڑی سی محبت نثار ہوئی دوپٹہ سرکا تو میں نے دیکھا کہ ایک ننھا سا بچہ گود میں پڑا دودھ پی رہا ہے نرم

رخساروں پر ہنسی کی جھڑیاں پیارے پیارے ہونٹوں پر مسکراہٹ اور ماں کے منہ پر ٹکٹکی تھی۔ بچہ کی یہ کیفیت دیکھ کر چونکہ میں خود صاحب اولاد تھا کس قدر خوش ہوا ہوں بیان نہیں کر سکتا اس کا ننھا سا دل دنیا کے تفکرات سے بالکل آزاد تھا اس کی تمام سلطنت ماں کی گود تھی جس میں پڑا ہوا حکومت کر رہا تھا جس پیار اور محبت سے ماں کی نگاہیں اس بچہ پر پڑ رہی تھیں وہ کوئی میرے دل سے پوچھے۔ جھکتی تھی طرح طرح کے منہ بنا کر چومتی تھی مختلف ناموں سے پکارتی تھی بھینچ بھینچ کر لپٹتی تھی۔ اس کی گود میں ایک ایسی لازوال دولت اور بیش بہا خزانہ تھا جس کی خوشی کا احساس کسی طرح ختم نہ ہوتا تھا ہاں تھا دماغ میں خیال اور خیال میں بلند۔ ہاں دل میں حوصلے اور حوصلوں میں اُمیدیں پیدا کر رہی تھی۔ اس کی حرکات قریب قریب مجذوبانہ تھیں مگر کچھ ایسی خوشی سے لبریز تھیں کہ اس کا پتہ مجھ کو اُن خوشیوں میں بھی نہ ملا جو الیاس شہزادی کے پاس شب ماہ میں تھیں فرط محبت سے چومتے چومتے خیالات نے اُمیدوں کو جامۂ کامیابی پہنایا۔ چاہتی تھی کہ کلیجہ سے لگا کر ہولے ہولے تھپڑ مارے۔ دفعتہً ایک ہم جنس سنگدل کی خفگی اور اس فقرے نے اس کی اُمیدوں کو خاک میں ملا دیا۔

"کیوں ری اتنا کم بخت تو نے پھر اپنے بچہ کو دودھ دیا!"

خدا معلوم اس فقرے کی تہ میں ایسی کیا چیز چھپی تھی جو بے فکر دل پر تیر کی طرح جا کر لگی اور ہشاش بشاش چہرہ کو جس پر رنج و غم کا نشان تک نہ تھا بالکل سہما دیا۔ اتنی عمر ہونے آئی مگر آج تک اتنی جلدی میں نے کبھی

آسمان کو بھی رنگ بدلتے نہ دیکھا جس کے وہم و گمان میں بھی انقلاب کا اندیشہ نہ تھا جو خلقت اور صنعت سب کو ہیچ سمجھ رہی تھی جس کی تمام خوشیاں جس کے تمام خیالات اس دو ڈھائی سیر کے لوتھڑے میں محدود تھے جس کے دماغ میں اس بے بہا نعمت نے اپنا سکہ بٹھا رکھا تھا اور جس کے دل میں یہ ننھا سا لال راج کر رہا تھا دفعتہً سٹ پٹا گئی۔ بچے کو دیں بٹھا اور سہمی ہوئی سامنے آ کھڑی ہوئی منہ پر ہوائیاں اُڑ رہی تھیں اور گھگیا گھگیا کر کہہ رہی تھی:۔

"نہیں تو بیگم! بڑی دیر سے رو رہا تھا میں لے گود میں اُٹھا لیا"

ماں کی گود کا فراق اور دودھ کا چھٹنا تھا کہ ننھا سا دل پھوٹ پھوٹ کر رونے لگا تعجب تو یہ تھا کہ ہر چند چیخا چلایا مگر واقعات نے ماں کو اتنی اجازت نہ دی کہ اپنی صورت دکھا کر فوری رنج کی تلافی کر دیتی ہاں اتنا ضرور تھا کہ جوں جوں اظہار تکلیف میں جس کا ذریعہ رونے کے سوا بچہ کے پاس کچھ اور نہ تھا زیادتی ہوتی جاتی تھی ماں کا خون خشک ہوتا جاتا تھا۔ میں دور بیٹھا ہوا بہت کچھ تڑپا مگر بے بس تھا بہتیرا غور کیا مگر قیاس نے مدد نہ دی کہ اس سنگدل عورت کے فعل پر کوئی رائے قایم کرتا ہر چند وجہ ارتکاب سوچتا تھا مگر کوئی خیال ٹھیک نہ بیٹھا۔ باوجود اس ناکامی کے کہ دماغ نے کوئی صائب رائے نہ دی۔ چونکہ افراط تخیلات کا مرض مجھ کو لاحق ہے میں اس جھگڑے کے اُلٹ پھیر میں پھنسا رہا۔ ممکن ہے کہ غلط ہو مگر میں جو قیاس لگا سکا اور جو رائے قایم کر سکا پہ [illegible] وہ یہ تھی کہ زرد دوپٹہ والی عورت کی کچھ ایسی اغراض اُن ہمجنسوں

سے وابستہ تھیں جن کا پورا ہونا ضروریات زندگی میں شامل اور بقاء حیات کا جزو لازمی تھا۔

مگر اے مادہ! بشریت اسی کا نام ہے اور ان حرکات کا فاعل انسان کہے جانے کا مستحق ہے؟ بول! بول پیاری مادہ کس دل سے اس شفیق القلب عورت نے ماں بیٹوں کے دورِ محبت کو درہم برہم کر دیا؟ وہ ذرا سا دل جو آزادی سے پڑا ہوا کلکاریاں مار رہا تھا اس سنگ دل کی وجہ سے چیخیں مار مار کر رونے لگا اور اس کو پروا بھی نہ ہوئی + محض اپنے بچہ کی محبت باعتبار تمول برتر ہونے کا زعم یا اسی کے قریب قریب کچھ اور ہونے کی رعونت کیا سب جائز تھے؟ اس لئے کہ اپنی ہی جیسی عورت اپنی ہی جیسی انسان کی ما منا صرف اس وجہ سے کہ اس کی ضرورتیں اٹکی ہوئی ہیں اپنی ما منا پر قربان کر دے اور ایسا ناجائز فائدہ اٹھائے کہ مجھ جیسے جانور تک لعن طعن کریں؟ بول بول پیاری مادہ کچھ تو بول ننھے ننھے کلیجوں پر تیر لگانے والی مخلوق مجروح دلوں پر برچھیاں چلانے والی مخلوق۔ اور اشرف؟ توبہ توبہ!! اے آسمان پر بادشاہت اور زمین پر حکومت کرنے والے!! الامان الحفیظ بچائیو اس مخلوق سے جو اتنی ارذل اور پناہ میں رکھیو اس فرقہ سے جو اس قدر خود غرض ہو۔

مادہ، پیاری مادہ۔ باتوں ہی باتوں میں دن کہیں کا کہیں پہنچا اور سورج سر پر آ گیا۔ میں نہ کہتا تھا کہ ایسی منحوس مخلوق کا صبح ہی صبح نام لیا خدا خیر کرے۔

خواہش یہ ہے کہ آیندہ کسی ایسی شے کا وجود میرے ذہن میں نہ ہو+ آ
اور دامن کوہ میں چل جو کچھ کہا کچھ نہیں کہا ابھی بہت کچھ کہنا ہے +
میں اس تماشے میں ایسا محو اور اس واقعے سے اتنا متاثر ہوا کہ بھوک
پیاس غارت ہوئی۔ ہر چند جی چاہا کہ نیچے اُتروں اور اپنے پروں کی ٹھنڈی
ہوا سے معصوم دماغ کو تر و تازہ کر دوں مگر اندیشہ اور اندیشہ کیا یقین تھا کہ اگر
چھو لیے سے بھی ان حدود میں داخل ہو جاؤں گا جہاں حضرت انسان کے
قدم پہنچتے ہیں تو آزادی کا خاتمہ ہو گا اور پر تقینچ ہو کر کسی کونے میں پھانک دیا
جاؤں گا۔ اُڑا اور جدھر منہ اُٹھا اُدھر کا رُخ کیا جہاں انسان کی طرف سے
اس قدر نفرت آمیز خیالات میرے دماغ میں جگہ پکڑتے جاتے تھے وہیں
تحقیقات مزید کی خواہش اور یقین کی ضرورت بھی اس درجہ محسوس ہو رہی
تھی کہ میں آبادی میں چکر لگاتا رہا۔ گرمی نہایت شدت سے پڑ رہی تھی اور
چونکہ حرارت آفتاب اس وقت پورے زور پر تھی نازک مزاج انسان کو اتنی
برداشت کہاں ہے کوئی تہ خانوں میں گھسا۔ کوئی خسخانوں میں غرض ایک
جگہ تین چار آدمی کھڑے ہوئے دکھائی دیئے ان کو دیکھ کر میں نے بھی طاقت
پرواز کو کم ور کیا۔ دیکھتا کیا ہوں کہ ایک موٹا تازہ آدمی جیبوں میں ہاتھ
ڈالے ادھر اُدھر ٹہل رہا ہے۔ اتنا ہی موٹا مگر عمر میں کچھ چھوٹا ایک شخص
جس کی صورت بڑے موٹے سے بہت ہی ملتی جلتی تھی ایک طرف چپکا
کھڑا تھا+ دو تین آدمی اور بھی تھے مگر سب مجھے دیکھ کر تو کیا کسی ضرورت ہی
سے سمجھنا چاہیئے باہر چلے گئے +

گو پچھلے واقعہ نے اس چیز کو جو انسانی و شیطانی حرکات میں مابہ الامتیاز ہے۔ دماغ سے قریب قریب غارت کر دیا تھا مگر پھر بھی میں ایسی اعلیٰ و اشرف مخلوق سے بدظن نہ ہوا اور میں نے یہ فیصلہ کیا کہ انسانی تاریخ کے بدنما دھبے شاید مذہب کے رگڑوں کا مقابلہ نہ کر سکیں اور جو طبیعتیں اصول مذہب جیسی مؤثر شے سے متاثر ہو چکی ہیں ان سے ایسی کمینہ حرکات کا ظہور نہ ہوگا۔ مگر جانور اور مجھ جیسے آزاد کے واسطے یہ تو آسان نہ تھا کہ میں محض انسان کی صورت دیکھ کر یہ پتہ لگا لوں کہ یہ مذہب کی زنجیر دل میں جکڑا ہوا ہے تاہم واقعات پر نظر ڈالنے سے پہلے میں نے جیبوں میں ہاتھ ڈالے ہوئے مجسم شخص کو اسی غرض سے دیکھا اس کا سر منڈا ہوا تھا گلے کا پر سفید داڑھی پیشانی پر نور گٹے ٹخنوں سے اونچا پائجامہ مختصر یہ کہ کچھ ایسا تقدس ٹپک رہا تھا کہ میرے دل نے بلا تامل اس شخص کے انسان ہونے کی شہادت دی میں منتظر تھا کہ اس کے قول و فعل سے کس طرح واقفیت حاصل کروں دفعتاً اس بڑے موٹے نے چھوٹے موٹے سے کہا:۔

یہ صرف فتنہ پردازوں کی شرارت ہے جو تم کو میری طرف سے بھڑکا رہے ہیں میں اگر تمہارا دشمن ہوں گا تو دوست کس کا ہوں گا یہ دولت اور ریاست سب مل جانے والی چیز ہے مگر تم جیسا برابر کا بھائی۔ نہ ماں باپ زندہ ہو کر آئیں گے نہ نصیب ہوگا۔ صدقہ کر دوں تم پر سے وہ جائداد جو تمہارے دل میں میری طرف سے گرہ ڈالنے بھائی سلیم تم نے کس طرح یقین کر لیا کہ میں حکام کو تمہاری بغاوت کا یقین دلا رہا ہوں اور اس کم بخت

موضع عزیز آباد کے واسطے التوا دلا توقف اگر خدا کوئی چیز ہے اور مرنے کے
بعد اس کے حضور میں اعمال بد و نیکی کا جواب دینا ہے تو میں اس کو شاہد کرتا ہوں
کہ اگر تم سے دغا کروں تو خدا سے۔ تم بلا تامل اس دستاویز پر دستخط کر دو واللہ
باللہ ثم باللہ اس کو میری بدنیتی پر محمول نہ کرو۔ تمہاری ریاست تم کو مبارک
ہو میری یہ کوشش دور اندیشی پر مبنی ہے کہ اگر خدانخواستہ ایسی ویسی ہو
تو یہ آبائی نشانیاں جہاں باپ دادا کی ہڈیاں گڑی ہوئی ہیں نیست و نابود
نہ ہو جائیں۔ باپ دادا کا نام لیتے ہوئے اس شخص کی آنکھ میں آنسو بھر آئے
اور کچھ ایسے درد سے تقریر کی کہ چھوٹے موٹے نے فوراً ہی دستخط کر دیئے
نہ معلوم اس کاغذ میں کیا خدائی کی دولت تھی کہ دستخط ہوتے ہی بڑا موٹا
باغ باغ ہو گیا۔ اور کاغذ ہاتھ میں لے یہ جا وہ جا۔ ابھی اس شخص کو گئے مشکل
سے ایک گھنٹہ ہوا ہو گا کہ چند طاقتور انسان رنگ برنگ کی وردیاں پہنے
دفعتہ گھس آئے اور اس چھوٹے موٹے کو زنجیروں میں جکڑ ایک طرف
لے چلے اس شخص کی گریہ وزاری اور اظہار بے گناہی پر کلیجہ کٹتا تھا زمین
پر یہ چھوٹی سی جماعت اور ہوا پر میں اکیلا۔ مختصر یہ کہ ہم سب ایک ایسی جگہ
پہنچے جو عدالت کے نام سے تعبیر کی جاتی تھی۔ سب سے پہلا شخص جس نے اس
مظلوم کے باغی ہونے کی شہادت دی وہی بڑا موٹا تھا۔ بس پیاری بادہ
دے میں نے تیرے ننھے سے دل کو بہت تکلیف پہنچائی ایسا نہ ہو اس قسم
کے واقعات تیری صحت پر برا اثر کریں۔ حقیقی بھائی سے زیادہ دوست
کون ہو سکتا تھا اس شخص کو جلا وطنی کا حکم ہوا جس وقت اس کو کشاں کشاں

لے چلے ہیں وہ نہایت حسرتناک وقت تھا قیدی نے بڑے بھائی کی طرف
دیکھا اور کہا بھائی جان موضع عزیز آباد میرے پاس رہا نہ تمہارے پاس
رہے گا۔ چار دن کی زندگی کے واسطے تم نے مجھ سے میرے پیارے
چھڑوائے۔ میں تو چلا لیکن اب تم اس جگہ چلنے کے واسطے تیار رہو جہاں
میرا تمہارا انصاف ہوگا اور جہاں میری شکایت کے بغیر اس کا فیصلہ ہوجائیگا"
بتا پیاری بتا کچھ تو بتا کیا اب بھی تو اس مخلوق کے ہمسایہ میں رہنا پسند
کرتی ہے؟ وہ دن اور آج کا دن میں نے تو عہد کر لیا کہ آبادی کی طرف رُخ
نہ کروں گا لیکن کل شام کو میں نے یہاں بھی حضرت انسان کی صورت
دیکھی بس اُڑا اور چل وطن کو خیر باد کہہ اور عزیز و اقارب کو خدا حافظ ۰

دیور بھاوجوں کی خط و کتابت

جو چچا زاد بہن بھائی بھی ہیں

بھاوج کی طرف سے

میرے نہایت عزیز صغیر۔ یوں تو کئی دن سے ارادہ کر رہی تھی کہ تمہاری سسرال جاؤں اور صغیر دلہن سے ملوں مگر کل محض اتفاق سے وہ ارادہ پورا ہو گیا اور سچ یہ ہے کہ وہ ملاقات ہی اس خط کے لکھنے کا باعث ہے۔

یہ تو تم سن چکے ہو گے کہ ہماری خوش قسمتی سے آج کل لیڈی لیس یہاں رونق افروز ہیں۔ لیڈی صاحبہ کو جو انس و محبت ہندوستانی عورتوں سے ہے اس کا شکریہ ہم کیا کوئی بھی ادا نہیں کر سکتا۔ خاتون موصوفہ مغربی تعلیم و تربیت کا وہ نمونہ ہیں جس میں طرزِ معاشرت کے اثر نے خلوص و ہمدردی کوٹ کوٹ کر بھر دی ہے۔ میں بہ حیثیت کلب کی پریسیڈنٹ ہونے کے اپنا فرض سمجھتی تھی کہ اس معزز مگر منکسر لیڈی کو شہر کی معقول خواتین سے انٹروڈیوس کراؤں اور ایک نسوانی پارٹی میں سب کو مدعو کر کے یہ دکھا دوں کہ مشرقی عورتیں بھی تہذیب و انسانیت سے آشنا ہیں۔ وہ بھی پہلو میں دل رکھتی ہیں۔ ان کے دلوں میں بھی جذبات فطرتی موجود ہیں۔ پردے نے ان کی زندگی کو ایک راز بنا دیا ہے اور اس راز میں جو بار نما دبے بیرونی سطح

پر نظر آرہے ہیں وہ محض پردے پر زور دینے والوں کی عنایت ہے۔ اس ہی سلسلہ میں میں صغیر دلہن سے ملنے گئی۔ لیکن اُن کی گفتگو سن کر مجھے تعجب ہی نہیں سخت افسوس ہوا چونکہ تمہاری اجازت نہ تھی اس لئے انہوں نے انکار کیا اور میں اپنا سا منہ لے کر چلی آئی ۔

آج میں اس مسئلہ پر تم سے بحث کرتی ہوں، میری رائے میں تم نے خاوند ہونے کا یہ نہایت ناجائز فائدہ اٹھایا کہ اپنی بیوی کے ہر قول و فعل یہاں تک کہ ملنا جلنا آنا جانا غرض ہر چیز کو اپنی رضا مندی پر منحصر کیا۔ کیا تم مجھے بتا سکتے ہو کہ تم کو خاوند ہونے کی حیثیت سے اس قسم کی حکومت کا کیا حق حاصل ہے؟ تم جانتے ہو عورت کیا شے ہے؟ بیوی کے کیا معنے ہیں ؟ اور ایک عورت کے نکاح میں آکر تم پر کیا حقوق واجب ہو گئے؟

تم مجھے معاف کرنا اگر میں یہ کہوں کہ عورت کے وضع کرنے میں فطرت کا جو منشاء تھا وہ تمہارے ہاتھوں پورا نہ ہوا اور تم جیسے خود غرض بندہ نفس مردوں کے قبضہ میں آکر عورت کی وقعت و عزت سب خاک میں مل گئی ۔ تم لوگوں نے بدظنی کے تیروں سے عورت کا کلیجہ چھلنی کر دیا۔ حکومت چونکہ تمہاری گھٹی میں پڑی ہوئی تھی اس لئے جب وہ باقی نہ رہی تو تم نے بیویوں پر حکومت کرنی شروع کی۔ نیچر نے تم کو صرف تحصیل معاش کے واسطے قوی زبردست بازو دیئے تھے۔ لیکن تم نے ان سے اُس مخلوق پر بھی حکومت کرنی شروع کی جو اکثر اعتبار سے تمہارے برابر اور بعض معاملات میں تم سے بدرجہا بہتر تھی ۔

پردہ محض تمہاری بدگمانی کا ایک ادنےٰ ثبوت ہے تم نے صرف اس خیال

سے کہ ان کو دنیا کی ہوا نہ لگے ان کی آنکھیں چار نہ ہوں کچھ اس طرح قید کیا
کہ سب کی سب تمہارا ہی کلمہ پڑھنے لگیں ٭

تاریخ تمہارے سامنے ہے دیکھو اور بتاؤ کوئی ملک کوئی فرقہ کوئی
قوم عورت پر ایسا جبر کرکے ترقی کر سکی؟ دور کیوں جاؤ صرف اسلام کو لو۔
آج بھی اسلامی ممالک میں شرعی پردہ رائج ہے۔ عورتیں آزادانہ پھرتی
چلتی ملتی جلتی ہیں۔ وہ مردوں کی دست نگر ہوں محکوم نہیں ان کی بیوفائی
کی شاکی ہوں مگر مظلوم نہیں ٭

تم کو نہ اس سے انکار ہونا چاہیئے نہ ہوگا کہ عورت کا وجود محض مرد
کی زندگی کو پرلطف بنا دینے کے واسطے ہے جس وقت دماغ دن بھر کے
افکار سے پژمردہ و پریشان ہوتا ہے اُس وقت اُس کی ایک ہنسی وہ ہنسی
جس میں بہت سے راز پنہاں ہیں اُس کی مسکراہٹ وہ مسکراہٹ جس
کے ساتھ نگاہ کی شوخی اور شرارت شامل ہے تمام آلام کو زائل کر دیتی ہے
وہ اپنی کلفتوں کو بھول جاتا ہے۔ شاعری، موسیقی الغرض وہ مادہ جو
قدرت نے عورت کی سرشت میں ودیعت کر دیا ہے تھپک تھپک کر دن
کے رنجیدہ تخیلات کو علیحدہ کرکے دماغ میں مسرت و شوق کی تہ بچھا دیتا
ہے ٭

عورت ایک پھول ہے جو مرد کے چمنستان حیات کو اپنی خوشبو سے
مہکا دیتی ہے۔ گو مردوں کی بدولت اس کے اصلی جوہر کھلنے نہ پائے اور
نو بہار کلیاں شگفتہ ہونے سے پہلے ہی مرجھا گئیں۔ لیکن پھر بھی اس پھو

کی بھینی بھینی خوشبو نے ان کی عمروں کو معطر کر دیا۔ اے کاش ان کلیوں کی قدر ہوتی ان کو پانی ملتا۔ قدردانی کے ساتھ ان کو سینچتے تو یہ ناقص العقل فرقہ اتنا مہکتا کہ رستہ چلتے درود پڑھتے اور تم لوگ دیکھتے کہ دنیا میں زندگی کس طرح بسر کرتے ہیں ٭

صغیر میاں ! برا نہ ماننا تم نے ان پھولوں کو پاؤں سے روندا۔ یہ پنکھڑیاں اس قابل نہ تھیں کہ تم ان کو مسل کر پھینک دو۔ عورت وہ چیز تھی کہ اگر تم اس کی قدر کرتے تو یہ تم کو معراج کمال پر پہنچاتی۔ تم کتنے دن نہیں لالوں کے لال ہو جاتے ٭

آخر تم مجھے بتاؤ تو سہی عورت پر حکمران ہونے کا خبط تمہارے دل میں سمایا کہاں سے ؟ میں بھی تو سنوں تمہارے پاس ایسے کیا حقوق ہیں جو تم ان بے زبانوں پر سلطنت کرو۔ میں سچ کہتی ہوں تم نے اپنے پاؤں پر آپ کلہاڑی ماری۔ یہ صرف عورت ہی پر حکومت کرنے کا نتیجہ ہے کہ اصلی حکومت کھو بیٹھے۔ اس جنون نے فقیر بنوا دیا۔ بھیک منگوا دی جو محلوں کے رہنے والے تھے ان کو جھونپڑا نصیب نہیں اور جن کے لباس قاقم و سنجاب تھے آج پیوند لگائے پھر رہے ہیں ٭

وہ ہادی برحق جس کو تم پیغمبر اسلام یقین کرتے ہو جس کو سچا نبی اور پاک رسول مانتے ہو اس کے اقوال پر نظر ڈالو تم کو معلوم ہو جائے گا کہ عورت کی وقعت رسالتمآب کی نگاہ میں کتنی تھی۔ کیا تم تک یہ الفاظ نہیں پہنچے کہ عورت اور خوشبو دو چیزیں مجھ کو دنیا میں زیادہ محبوب ہیں۔ صغیر ! مجھے یہ

کہنے کی اجازت دو کہ مسلمان جب تک اپنی عورتوں کی قدر کرتے رہے اُن کا سکّہ تمام دنیا میں بیٹھا رہا لیکن جس روز سے انہوں نے اس قابل قدر فرقے کو ذلیل کیا اُن کی ہوا اُکھڑ گئی ۔

ایک خالق کی مخلوق ایک خدا کے بندے ایک دنیا کے رہنے والے ہمارے فرائض الگ تمہارے فرائض الگ۔ تم کو ہم پر حکومت کرنے کا حق کیا؟ تم ہمارے حقوق سے لاپروا ہوگئے۔ جانوروں کی طرح ہم کو قید رکھا اس کا لازمی نتیجہ یہ ہوا ہم جانور تھے ہم نے جانور جنے جانور پلے اور اگر آج نہیں جانور کہیں تو کیا گناہ ۔

آخر مغربی عورتیں بھی تو بیویاں ہیں۔ ان کے ہاں بھی خاوند ہوتے ہیں دیکھو وہ ملک کیسی ترقی کر رہا ہے۔ تہذیب کا مرکز شائستگی کا گھر۔ ہم نے بہت روز تک تمہاری اطاعت کی۔ اب وہ دن ہوا ہوگئے کہ ہم گھٹ گھٹ کر مریں۔ تمہاری چلمیں بھریں تمہارے پاؤں دبائیں۔ کہیں جائیں تو تم سے پوچھ کر کسی سے ملیں تو اجازت لے کر کھائیں تو صلاح سے پئیں تو مشورے سے۔ غرض ہماری نشست برخاست حرکات سکنات سب تمہاری مرضی کے تابع ہوں ۔

پیارے صغیر! صغیر دلہن کا یہ جواب کہ "میں کسی جگہ بغیر ان کی اجازت کے نہیں جا سکتی" نہایت معقول تھا۔ بیوی کو چار دیواری کے پنجرے میں قید نہ کرو اس کو دکھا دو کہ دنیا میں کیا ہو رہا ہے۔ گو تمہاری صحبت نے اس کی طبیعت متوحش کر دی لیکن وہ قدرت سے ایسا مادہ لے کر آئی جو صرف تھوڑی

پرداخت کا محتاج ہے۔ دنیا دیکھنے دو۔ زمانہ طبیعت کو آپ ہی درست کر دے گا۔ علم سے مستفیض ہونے دو۔ سوسائٹی میں شریک کرو۔ پھر دیکھنا کہ یہ پردے کے بیٹھنے والیاں جن پر ہر طرف سے لعن طعن ہو رہی ہے۔ بڑے حکما کے کان کتریں گی۔

مجھے اندیشہ ہے میری تحریر تم کو ناگوار نہ گزرے اب میں ختم کرتی ہوں مگر اتنا اور کہتی ہوں۔ میری اس بات کو یاد رکھنا۔ اگر دنیا میں کچھ کرنا ہے تو عورتوں کے حقوق واپس کر دو اور وہ کام کرو کہ آنے والی نسلیں دعا سے یاد رکھیں۔

دیور کا جواب

مجوبہ بہن! خط تھا یا برسوں کا بخار جو حرف تھا وہ چنگاری اور جو لفظ تھا وہ شرارہ۔ لیڈی لین آئیں تو تمہیں بھا گیا اور ٹی پارٹی دی تو تمہاری سہیلیوں کو مبارک۔ بھلا ہم بیچارے غریب سوکھے ٹکڑے تو نصیب ہو نہیں۔ پلاؤ۔ قورمے کھائیں تو کس منہ سے ہم نے لیڈی صاحبہ کی دعوت کی خوب کیا۔ صغیرہ دلہن شریک نہ ہوئیں۔ بہت خوب کیا۔ تم تو ماشاء اللہ چھڑی تھیں جو کچھ کر لیں کم وہ غریب آدھی درجن بچوں کی ماں۔ ایک گود میں۔ ایک پیٹ میں اٹھنا مشکل بیٹھنا دوبھر سینی اٹھوانی ہوتی تو جاتی۔ تمہیں بچوں سے نفرت وہ بچوں پہ چھڑکے جان۔ تمہارا اس کا میل کیا تم اللہ رکھے تحصیلدار کی بیٹی ضلعدار کی بیوی جو کہو سب زیب۔ وہ بیچاری ملاّ جی مسجد کے ٹکڑوں پلی۔ زکوٰۃ میں پڑھی بیاہی آئی تو یہ سمجھ پڑے کہ نہیں رہ پیہا اور تو ہند سے ایسی کے بھالوں کلیسا لوٹے تو رہے تو آنسے سب یکساں۔ تم ہی سوچو سچ ہے یا

جھوٹ اس کو تو پہلی پکڑنی مشکل ہوتی ہوگی۔ گاڑی کے آٹھ آنے تو بچوں پر
دو فاقے ڈال دیتے اور اگر محض شرما شرمی گھبرا چیپکی کی جاتی بھی تو کیا گیارہ
مہینہ کا بچہ نئے لوگ اوپرا گھر بیسوں بیویاں اسے تو کلب جیلخانہ ہوجاتا۔
ماں غریب کلب دیکھتی یا بچہ بہلاتی؟ تمہیں مہینہ بھر کا دودھ چھٹا ماں کے
بغیر تو ٹکتے سے رہا۔ دو قدم آگے ہی ہوتا وہ ایک ضدی اس سرے سے
جو لوٹ لگاتا تو اللہ جانے فرش میں لپٹا ہوا اس کنارے پہنچتا۔ تو بتاؤ تم ہی
بتاؤ اس کو سنبھالتی اس کو چمکارتی کہ کلب دیکھتی۔ بیویوں سے ملتی۔ بہن یہ تو
پیٹ بھرے کے سودے اور بھری چھٹانکوں کے ڈھکوسلے ہیں۔ خدا شاہد ہے
مجھ کو ان میں تمہاری کوششوں کا مخالف نہیں تم نے جو کچھ کیا اچھا کیا اور خوب کیا
کیا اور کرنا چاہیے تھا۔ مگر ہر کام کا ڈھنگ اور ہر بات کا موقع ہوتا ہے۔ بری
کی متوقع ہو تو ان سے جو ارادہ کریں اور کر سکیں۔ یہ نہیں کہ کیا اور کر نہ جاتا۔
میں ہوتی تو کر دکھاتی؟ نہیں خدا کی قسم اب کے جلسہ میں ذرا یہ تو دیکھنا کہ کچھ
بیبیاں دیسی والیاں کے بچوں کی آئیں ہیں؟ بلی کے بھاگوں چھینکا
ٹوٹا! اگر ایک آدھ شکل بھی آئی تو پھر نوکر گنتا خدمت گار گنتا جن بیچاریوں
کی اپنی ہی پوری نہیں پڑتی وہ نوکر رکھیں تو کس برتے پر؟ گھر کی جھاڑو
بہارو میاں کا آگا تاگا چولھے کی ہنڈیا یا ڈولی کیا کریں کیا نہ کریں۔ بچے
پالیں۔ کلب پہنچیں۔ خفا نہ ہونا۔ میں معترض نہیں ایک فرقے کی طرف سے
مجبوری کا اظہار کرتا ہوں۔ مغربی خواتین کی مثال نہ لو۔ بڑے بڑے آدمی بڑے
لوگ کیا کنگلا تیلی کیا راجہ بھوج انہیں مغربیہ کی کیا کمی۔ ملک ان کا حکومت

ان کی۔ عزت ان کی۔ دولت ان کی جو چاہیں کریں جہاں چاہیں پھریں۔ یہاں
نہ چولھے آگ نہ گھڑے پانی۔ پیٹ میں پڑتی ہے تو سب سوجھتی ہے جن ہیولیوں
پر منہ آ رہی ہو یہ بھی تمہارے ہی جیسی عورتیں ہیں تمہاری جتنی عقل تمہاری
جتنی ہمدردی ان میں بھی ہے جانور نہیں یہ بھی آدمی ہیں مگر کیا کریں ظلم نے
وہ عقل اور ہمدردی سب خاک میں ملا دی۔ چلو خیر خدا کا شکر ہے ایک جماعت
تو ہم میں بھی ایسی نکل آئی عقل میں بھرپور۔ قومی دھن میں چکنا چور بچہ نہ کچا
کرنا نہ دھرنا ٭

٭

اب میں تمہارے خط کا جواب دوں۔ طرز تحریر نہایت خوب خیالات
کی بلند پروازی چشم بددور۔ جدت قابل تحسین اور ہمت لائق شاباش —
تمہارے پاس اس یقین کی کیا وجوہ ہیں کہ مشرقی خواتین ہماری رائے
میں ارذل المخلوقات ہیں۔ کس نے کہا اور کب کہا جس نے کہا جب کہا اور
جس کے سامنے کہا غلط اور یقیناً غلط۔ فطرت کی تقسیم میں کمی بیشی تو ممکن ہے
لیکن آسمان زمین کا فرق جو سمجھے وہ بیوقوف جو سمجھے وہ کودن۔ ہمارا ایمان
یہ ہے کہ یہی چار دیواری میں بیٹھنے والیاں اگر زیور علم سے آراستہ ہوں تو
اُن کے منہ سے ایسے پھول جھڑیں کہ مغرب بھی اس خوشبو پر لٹو ہو جائے۔
کیا تم یہ سمجھتی ہو کہ ہماری رائے میں طبقۂ اناث پر انسانیت کا اطلاق جائز
نہیں۔ گو فریقین میں تھوڑا سا امتیاز قدرت نے رکھا اور نظام عالم مقتضی
تھا کہ یہ امتیاز رہے تاہم نہ یہ ہمارا یقین نہ ایمان نہ رائے نہ خیال کہ یہ تفریق اس

حد تک پہنچ گئی کہ عورتوں کی طبیعتیں ایسے مادے سے محروم ہیں جو علم سے متاثر ہو سکے لیکن وقت مرض لاعلاج ہے۔ ضرورت نے کیا مجبور۔ افلاس نے چھائے ڈیرے مقاصد حیات محدود رہ گئے۔ زن و شوہر کے اتصال کا ماحصل یہ ٹھہرا کہ دونوں زندگیاں باطمینان ختم ہو جائیں اور اگر میری رائے غلط نہ ہو تو میں کہوں گا اور علی الاعلان کہوں گا کہ یہ اصول مقدم ہونے کے قابل بھی تھا۔

تمہارا سوال ہے کہ مجھ کو کیا حق حاصل ہے کہ میں صغیر دلہن کو کہیں جانے کے واسطے اپنی اجازت کا محتاج رکھوں۔ تمہارا یہ اعتراض صحیح ہے یا غلط۔ مگر مجھ پر نہیں قدرت پر ہے۔ قدرتاً عورت اس طرح پیدا کی گئی ہے کہ وہ مرد کی خفیف سی نگرانی میں کام کر سکے۔ جن قوموں نے اس اصول کو نظر انداز کیا وہ ہرگز کامیاب زندگی بسر نہ کر سکیں۔ واقعات پیش نظر ہیں۔ منہ نہ کھلواؤ۔ خود ہی سوچو اور آپ ہی غور کرو۔ فطرت نے جیسا کہ تم خود ہی کہتی ہو عورت کی طبیعت میں وہ اسباب رکھ دیئے ہیں جو ایک مرد کا دل مسخر کرتے ہیں اور اُس کا دل راغب کرنے میں ہر وقت اور ہر حال میں مددگار ہیں۔ ضرورت صرف اتنی ہے کہ مواقع اجازت دیں۔ نظارہ اس کے بعد گفتگو اور پھر میل جول وغیرہ وغیرہ۔

کیا وہ شے جو فطرتاً یہ تمام سامان ساتھ لے کر آئی۔ اس بات کی محتاج نہ تھی کہ اگر اس کی یہ کامیابی معیوب ہے تو اس کے تعلقات پر نگاہ رکھی جائے؟ اگر کوئی عورت بہ حیثیت بیوی ہونے کے کسی غیر جلسہ میں شوہر کی اجازت ضروری

سمجھتی ہے تو وہ کس گناہ کی مرتکب ہے؟ گو یہ تسلیم کرنے کو میں بھی تیار نہیں ہوں کہ عورتیں ناقص العقل ہیں نہ انصاف مجھے یہ کہنے کی اجازت دیتا ہے کہ ہر مرد ہر عورت سے عقلمند ہے۔ لیکن اس سے تمہیں بھی انکار نہ ہوگا کہ بیویاں جب تک تعلیم کی اس حد پر نہ پہنچ جائیں جہاں خاوند ہیں وہ ان کی صلاح اور اُن کے مشورے کی یقینی محتاج ہیں۔

بدظنی توبہ توبہ نعوذ باللہ۔ تم بھی کن قزاقوں کا جھگڑا لے بیٹھیں اگلے زمانہ کی تو میں کہتا نہیں۔ کیا تعجب ہے ایسے بھی ہوں گے۔ لیکن اب تو کوئی ایسا ہی بے غیرت ہوگا جو بیوی جیسی رفیق سے بدظن اور عورت جیسی مونس سے بدگمان ہو۔ میل کا بیل۔ رائی کا پربت۔ تل کا پہاڑ۔ مکھی کا ہاتھی۔ صد آفرین تمہاری طبیعت کو جو سمجھ میں آیا وہ لکھ بیٹھیں۔ باتیں کیں تو وہ کچھ خط لکھا تو یہ کچھ۔ عجوبہ بہن! تم تو سچ مچ ہی کی عجوبہ نکلیں۔ جو اصل بات ہے وہ تم نہ کہو میں کہوں اور ڈنکے کی چوٹ کہوں واقعات آگے سامنے جھگڑے ہوگئے پیدا۔ اندیشہ ہونا ہی تھا جب امکان کا اندیشہ ہے تو انسداد خطا کیا اور گناہ کیوں؟ اب اس انسداد کو بدظنی کہو یا بدگمانی سے تعبیر کرو جو چاہو سمجھو یہ وہی انسداد ہے جو پردے کی صورت میں سامنے آیا۔ تم نے پردہ شرعی کر لیا۔ آؤ یوں ہی سہی۔ یہ کس کی سنی سنائی کہہ رہی ہو تم نے تو سنا ہوگا یا پڑھا ہوگا۔ مجھ سے پوچھو کہ مہینہ نہ دو مہینے اکٹھے تین سال تک اسلام میں گزر آیا۔ عجوبہ بہن! یہ پردہ شرعی کی آڑ وہ پکڑتے ہیں جو پردہ پسند نہیں کرتے بچی ہو۔ عقل کی کچی ہو اتنا تو سوچو۔ پردہ شرعی وہاں ہے جہاں قانون بھی

شرعی ہے۔ مجال ہے کوئی ٹیڑھی آنکھ سے تو دیکھ لے۔ تمہارے ہاں تو
اگر ایک گھر سے دوسرے گھر ڈولی جائے تو رستے میں دو ہزار گالیاں کانوں
میں آئیں گی۔ میں تمہارے اس خیال سے متفق ہوں کہ قدرت کے انعام میں
مرد و عورت دونوں برابر کے شریک ہیں۔ عورتوں کو بھی کائنات سے محظوظ
ہونے کا وہی حق حاصل ہے جو مردوں کو اور اگر ایک بیوی خاوند کی اجازت
و صلاح سے تفریح و دلچسپی کے سامان ایسے پیدا کرے جو اس کے فطرتی جوش
کے واسطے برائی کی طرف محرک نہ ہوں تو قطعی جائز۔

یہ مسئلہ اصول اور مقررہ قانون ہے کہ انسان حالت موجودہ میں قانع
نہیں ہوتا اور ہر جدت میں لذت ہوتی ہے۔ یہ وجہ ہوئی ہے اس امر کی
کہ تم مغرب کی اس قدر دلدادہ ہوئیں۔ لیکن تم تو تم میں کہتا ہوں خدا دشمن
پر بھی مغرب کا پرچھاواں نہ ڈالے۔ خدا نہ کرے کہ ہم وہ دن دیکھیں جب
ہماری عورتوں کا مقصد حیات اپنے شیدا پیدا کرنا ہو۔ گو ہمارے ہاں بعض
ایسے کم بخت بھی موجود ہیں جن کے وجود سے یہ کلنک کا ٹیکا ہمارے ماتھے
پر لگا انہوں نے درحقیقت عورت کی قدر و منزلت میں انصاف نہ کیا لیکن کیا
مغرب میں ایسے لوگ موجود نہیں جنہوں نے بیویوں کی زندگیاں بجپن ہی نہیں
بلکہ ایسی برباد کیں کہ مظلوموں نے روتے ہی روتے بسر کی۔

اصول پر نظر ڈال کر دیکھو تو میں مدعی ہوں اس اعلان کا کہ جو قدر ہم
نے اپنی خواتین کی کی۔ وہ مغرب کے فرشتوں کو بھی نصیب نہ ہوگی۔ ہم نے
اگر ان کے علمی خلعت چھینے تو مجبوری اور معذوری سے لیکن ان کو

عفت و عصمت کے ایسے گجرے پہنائے جو قیامت تک مرجھانے والے نہیں۔ اس حسرت و ذلت اس فقیری اور ناداری میں ان موتیوں کی آب پر حرف نہ آنے دینا۔ ہمارا ہی کام تھا۔ رہا علم سے محروم رکھنا۔ یہ ہماری مجبوری بھی تھی اور غلطی بھی۔ لیکن اس کے معنی یہ نہ ہوں گے کہ ہم نے قادر نہ جانی مجھے اس کے تسلیم کرنے میں عذر نہیں کہ ان کو علم سے محروم رکھنے میں ہم نے ان کو کیا اپنے تئیں سخت نقصان پہنچایا اور اب اس کی تلافی کے لئے صد سال درکار ہیں لیکن یہ تو میں کبھی نہ کہوں گا کہ اندھا دھند مغرب کی تقلید پر ہم کمر بستہ ہو جائیں اور اُن کے ہر قول و فعل کو سر آنکھوں پر رکھ لیں۔ یہاں تک کہ عفت و عصمت شرم و حیا بچوں کی لاج باپ دادا کی عزت سب نظر انداز ہو جائے ؞

پردے کا ذکر چھیڑ کر تم نے میرے پکے پھوڑے میں ٹھیس لگا دی آہ! عجوبہ یہ تو مسلمانوں سے رخصت ہوا آج ہوا تو کل ہوا تو یہ تو اب رُکتا نہیں۔ یہ جوان شیر دم توڑ رہا ہے اور کوئی دم میں رخصت ہوا۔ نعمت تھا یا مصیبت۔ جو کچھ بھی تھا کوئی دن کا مہمان سمجھو پچاس برس کے اندر ہی اندر اس کا خاتمہ سمجھ لو۔ خدا کرے تمہارا خیال سچا ہو اور اس وقت کے لوگ تمہیں دعا دیں۔ لیکن مجھ سے پوچھو تو میں یہ کہوں گا کہ آنے والی نسلیں سر پیٹ لیں گی ؞

نند کا خط بھاوج کے نام

شاباش چھوٹی دلہن شاباش! اسی دن کو بیٹے کا ارمان کرتے ہیں کہ بہو آن کر کتے کے ٹھیکرے میں پانی پلا دے! اللہ رکھے ایک چھوڑ[2] دو[2] بیٹوں کی ماں ہو۔ ایک دن تم کو بھی ساس بننا ہے اور خدا سے اُس کی لاٹھی بے آواز ہے۔ جیسی تم نے ساس کی مٹی پلید کی خدا دشمن کی بھی نہ کرے! چھوٹی دلہن بہن مظلوموں کی فریاد یوں ہی خالی نہیں جاتی۔ اور پھر ماں آہ! میری آج کی بات یاد رکھنا اماں کا صبر اوپر ہی اوپر جانے والا نہیں! دنیا اور دین دونوں برباد ہو گئے! وہ نہ ہی ساس ہی نہ تھیں پر کا سرپوش! جھاڑو کا بندھن! اماں کی زندگی ایسی نعمت تھی کہ اگر لاکھ روپیہ بھی خرچ کر ڈالو تو ہاتھ آنے والی نہیں! دونوں میاں بیوی سر پر ہاتھ رکھ رو ؤ گے اور پچھتاؤ گے! سوتے جاگتے اُٹھتے بیٹھتے ہر وقت اور ہر لحظہ تمہاری اور تمہارے بچوں کی دعا گو تھیں! لو! یہ صرف ممتا ہی کا جوش تھا کہ پیر کی رات کو بھی جب ہوش آیا تو بلبلا بلبلا کر دعا مانگی۔

"الٰہی سعید[1] اور اُس کی بیوی بچوں کے واسطے دنیا کی خوبیاں"

تمہارے کوسنے اور فضیحتاں کلیجہ پر تیر لگتے تھے مگر خدا گواہ ہے جب کہا

[1] چھوٹی دلہن کے میاں کا نام ہے۔

ہی کہا۔

"اے اللہ حمیدؔ دلہن آکر اسی طرح زبان نہ چلائے اور میرا بدلہ نہ لے"
چھوٹی دُلہن[ط] سچ پوچھو تو دعا کا دروازہ بند ہو گیا! کچھ ہی کر ڈالو اب اُس
دل سے دعا دینے والا کوئی نہیں! تم کو سو وہ ہنسیں، تم خفا ہو وہ دعا دیں!
اتنی سی بات پر کہ رشید باسی چاول کھا رہا تھا انہوں نے کہا کہ "بیٹی دن
خراب ہیں" تم دونوں میاں بیوی اُن کی جان کو آ گئے! ہائے چھوٹی دُلہن
جس وقت تم نے کہا ہے "مرتیں بھی تو نہیں" اُٹھ کر میرے پاس آ بیٹھیں
آٹھ آٹھ آنسو روز رہی تھیں اور کہہ رہی تھیں بہن اسی دن کے لئے اس
کو لائی تھی کہ یہ میرا مرنا چاہے! مامتا اس کی بچہ اس کا دادی بندی کے
مُنہ میں خاک! میری تو پہلے ہی سنت پرست جان ہے! ہر نماز کے بعد دعا
مانگتی ہوں کہ ماں باوا کی سلامتی ہیں دونوں بھائیوں کی جوڑی قائم رہے
دُلہن مجھ کو دشمن سمجھتی ہے خیر میں دشمن ہی سہی۔

صد آفرین بھائی سعید کو پڑھے لکھے صرف شریف اور ماں کی وہ قدر
کی کہ آج کوئی لونڈی کی بھی نہ کرے گا! مامتا تو خیر سب ہی کو ہوتی ہے،
مگر وہ تو پروانہ تھیں، ہر وقت کہتی تھیں "میرا بچہ اللہ کی سپردگی میں ہے"
بیوی میں نے اپنی آنکھ سے دیکھا ہے گھنٹوں سجدے میں پڑی رہتی تھیں!
تم زادوں کو تو خط بھیجنا قسم تھا غیروں سے خیریت معلوم کرتی تھیں، ذرا
دیر ہوتی تھی کہ دیوانوں کی طرح پھرتی تھیں! ایسی عاشق زار ماں اسی

ط چھوٹی دُلہن کا پہلونٹی کا لڑکا ۱۲

کی مستحق تھی کہ بیٹا بھر مُنہ کہہ دے" اب تو ہم انشاءاللہ تعالیٰ تمہارے مرنے پر آئیں گے"!

اسی دن کے لئے بچوں کو پالتے ہیں! اسی دن کے لئے اللہ آمین کرتے ہیں! اب بھی دو چار بیویاں اس وقت کی دیکھنے والی موجود ہیں کہ مرنے والی نے کیسی محنت مصیبت اُٹھا کر میاں سعید کو جوان کیا ہے! پرسوں خالہ مریم کہہ رہی تھیں کہ اس زمانے اتفاقی ہیں کہ میاں نے کبھی بات نہ پوچھی بچہ کو اس طرح پالا کہ محلہ بھر واہ واہ کرتا تھا! سارا کنبہ جانتا ہے کہ کبھی کسی نے میاں سعید کو بُرے حالوں نہ دیکھا! اپنا دوپٹہ چیکٹ، کرتہ میلا۔ کچھ بھی ہو مگر بچہ جب باہر نکلا۔ اُجلے کپڑے ثابت جوتی! ذرا مدرسہ میں دیر ہو جاتی تھی تو دروازے میں جا کھڑی ہوتیں اور جو آتا اُسی سے پوچھتیں:

"کیوں بھائی میرے سعید کو تو نہیں دیکھا!"

آہ! چھوٹی دلہن اماں کی محنت کا اچھا پھل نہ ملا جس بیٹے کے واسطے آپ خاک ہوئیں! عیش و آرام سب مٹی کیا! پالا پوسا۔ پڑھایا۔ لکھایا اُس کو زندہ تو زندہ مرے پر بھی آنا نصیب نہ ہوا! بیٹے کی کمائی میں ماں کی تقدیر کا ایک پیسہ بھی نہ تھا! تمہاری لونڈیاں اور ماما ئیں سفید براق کپڑے پہنے پھریں اور ساس کے پاس برس کے برس دن بھی اُجلا کپڑا نہ ہوا! خدا کی قسم کلیجہ کٹتا ہے جس وقت خیال کرتی ہوں کہ سارے سارے دن خالی درود کھایا اور بیٹے کی شکایت زبان پر نہ آئی! کیسی جنتی بیوی تھیں جب بڑے ماموں جان نے پچاس روپے بھیجے تو شکر کر کے رکھ لیے اور ہنس کر کہا میرا

بیچ تحصیلدار ہے۔ اُس کو تین تین بیٹیاں بیاہنی ہیں روپیہ لے لوں[1] تو اُس کی
ناک کٹ جائے گی اللہ اُس کی عمر میں برکت دے میں کیا کسی کی محتاج
ہوں! کیسی صبر کی آدمی تھیں فاقہ فقر تنگی ترشی ہر حال میں راضی ہر بات
میں خوش! مر گئیں اور فاقے کر کر کے مریں مگر گھر کی ہوا نہ بگڑنے دی! میاں
سعید سے کہہ دینا جس ماں کے مرنے کا ارمان تھا وہ ماں چار ہزار کا مکان
تمہارے واسطے چھوڑ گئی! تحصیلداری سا رہنے والی نہیں ایک دن خدا
کو منہ دکھانا ہے! جس شخص کے دروازے پر آٹھ آٹھ دس دس آدمی
موجود ہوں اُس کی ماں کے پاس آخر وقت کوئی حلق میں پانی ٹپکانے والا
نہ ہو! بھائی اماں تیرا ظلم سہنے کے واسطے جینے والی نہ تھیں اُٹھ گئیں اور
ایسی جگہ گئیں کہ اب نہ آئیں گی! دیکھ لینے کا ارمان دل میں تھا وہ پورا نہ ہوا!
یہ ڈھنڈار گھر آدھی رات کا سنسان وقت ماں کی موت اور میں اکیلی،
دل کا اللہ ہی بیلی تھا جو خدمت ہو سکی وہ کی مگر ہائے سعید جو حق تھا وہ
ادا نہ ہو سکا! کس دل سے لکھوں اور کس منہ سے کہوں اماں ہمیشہ کیواسطے
چھوٹ گئیں، رات بھر مردے کو کلیجہ سے لگائے بیٹھی رہی! خدا ماموں
جان کا بھلا کرے کہ اُنہوں نے صبح کھڑے ہو کر اُن کو اصلی گھر میں پہنچا دیا"

[1] شادی کرنی ہے ؛

رویائے مقصود

تمہید

ماں لیا کہ سید مقصود نبود مذہب سے قطعی آزاد اور احکام آلہی
سے بالکل غافل تھا مگر اس کا جواب کیا ہوگا کہ ایک ایسی ماں کے
دودھ سے بڑھا اور گود میں پلا جو عذاب آلہی کے نام سے تھرا اٹھتی
تھی۔ یہی وجہ تھی کہ گولن.ن کے قیام نے اس کے اسلام پر پانی پھیر
دیا۔ مگر پھر بھی جب انکار ربنوی سے فرصت اور ضروری کاروبار سے
فراغت پاتا مسئلہ عبودیت پر غور کرنے بیٹھ جاتا۔ ورنہ معتزلہ
کالج کا طالب علم کیمبرج یونیورسٹی کا بی۔اے۔ سول سروس کا ممبر
آٹھ ساڑھے آٹھ سو روپیہ کا معزز عہدہ دار مقصود سے اور خدا سے
واسطہ کیا؟

ہم کو اس سے بحث نہیں کہ وہ ولایت کیوں گیا ایل ایل ایم کی
ڈگری چشم ما روشن دل ما شاد مگر یہ شراب کا چھلا کیسا پیچھے لگا
لایا! گھر چھٹا بار چھٹا مگر یہی مردار نہ چھٹی!!

ابتدائی تعلیم کو جانے دو صرف ماں کے خیالات کا اثر اب بھی اتنا
کافی تھا کہ اگر فرانس کے دلربا گڑھے نہ پڑتے تو وہ رنگ اترنے
والا نہ تھا۔ اور اگر مقصود زیادہ نہیں دو برس ماں کے پاس اور

رہ جائے تو وہی پردے کی بیٹھنے والی اور چار دیواری کی گھٹنے والی اُس کو
انسان بنا دے۔ مگر افسوس ہے اُس کمبخت باپ پر جس نے نہ اِدھر کا رکھا نہ اُدھر
کا ادھر میں لٹکا دیا!! نو برس کی عمر سے جو جدا ہُوا تو دو مہینہ لگاکر بھی ماں کے
پاس رہنا نصیب نہ ہوا! نہیں تو یہی مقصود جس کے واسطے آج تمام
جیات آباد چھان مارا اور ایک متنفس ایسا نہ ملا جو اس کے دو
سجدوں کی شہادت دے دیتا۔ اس ماں کے پاس سے ایسی طبیعت
اور مزاج لے کر نکلتا کہ فرانس کیا، اگر کوہ قاف تک ہوآتا تو خدا کی عظمت
کو ہاتھ سے نہ دیتا ۔

خدا کو جان دینی ہے مقصود کے معاملہ میں ماں بالکل بے گناہ ہے
ذمہ وار ہے تو باپ کہ نہ آپ خدا کو خدا سمجھا نہ بیٹے کو سمجھنے دیا
نو برس کی جان کو جو کالج میں لے جا کر چھوڑا تو پھر پلٹ کر نہ دیکھا کہ یہ
کمبخت کر کیا رہا ہے نتیجہ یہ ہوا اور ہونا چاہیئے تھا کہ ماں کے عقائد جو کچھ
تھوڑے بہت ساتھ لے کر گیا تھا ختم ہونے شروع ہوئے اباپ نے
کی لاپروائی۔ ماں کے پاس رہنے کا موقع ملا نہیں مشفق شفیق نا صح
صلاح کار جو کچھ تھے یا میاں نوکر سردار یا کالج کے در و دیوار صحبت
ملی تو اُن کی جو نمازی کو کاہل گنہگار ایماندار کو کہیں بے وقوف دو ست
بنے تو وہ لڑکے جو انتہا کے خود غرض اور پرلے درجہ کے فیلسوف
اپنا رنگ یہ کچھ سا تھیوں کے ڈھنگ وہ کچھ اب مقصود کو مردود
بنانے کے واسطے شیطان تو آنے سے رہا ۔

گوان باتوں کو اب پچپاس برس ہو گئے مگر آج بھی اُس وقت کی دیکھنے والی صورتیں موجود ہیں۔ جب مقصود ولایت روانہ ہوا ہے۔ دینداراماں ڈیوڑھی میں کھڑی تھی۔ سلام کو جھکا تو کلیجہ سے لگا کر روئی چپکے چپکے آیۃ الکرسی پڑھ کر دم کی اور آواز بلند کہا:۔

"مقصود خدا تیرا نگہبان جان وایمان کی سلامتی میں واپس آنا نصیب ہو" وہ اگر کامیابی امتحان کی متمنی تھی تو سلامتی ایمان کی دعا گو۔ درازی عمر کی خواستگار تھی تو برکت اسلام کی طلب گار۔ مگر والد بزرگوار کی تمام تمنائیں اور دعاؤں کا دارومدار صرف ایک ڈگری پر تھا تا۔ ان پر حرف آیا تو آیا باپ کی عزت گئی تو گئی مگر بیٹا ایل ایل ایم کہلایا:۔

کاش ناعاقبت اندیش باپ کے دل میں جہاں دنیوی ترقی کی اس قدر خواہشیں تھیں ذرہ بھر روحانی ترقی کا بھی خیال ہوتا!!!

ہمارا یقین تو یہ ہے اگر مقصود مذہب کو سمجھ کر ولایت جاتا تو اُس کا یہ سفر سونے پر سہاگہ ہوتا اور یہی مقصود جو آج ایسا بدنام ہوا کہ ساری دنیا تھُڑی تھُڑی کر رہی ہے ایسا متقی پرہیزگار بن کر آتا کہ تمام جہان واہ واہ کرتا:۔

بازار

مرزا۔ مسٹر مقصود کے خاندان کا قدیمی نوکر

شریف - مرزا کا دوست ؛

(۱)

شریف - ہاں بھئی مرزا اب کیوں آنکھ ملانے لگے اب تو جنٹ صاحب کے نوکر ہو ؛

مرزا - ابے یار بس بیٹھا بھی رہ ! بڑے میر صاحب نے جب کہا مرزا جی ہی کہا ۔ اللہ بخشے منجھلے میاں کا مرزا جی ہی کہتے کہتے منہ خشک ہوتا تھا ۔ یہ ٹانگ تیر پر گا لٹا ، بغیر دل کے بات ہی نہیں کرتا قسم ہے اللہ کی جان اجیرن ہو گئی بڑھاپے میں مٹی پلیت ہوتی تھی ہو رہی ہے (منہ پر ہاتھ پھیر کر) خدا اس سفید ڈاڑھی کی شرم رکھ لے ؛

شریف - یہ منجھلے میاں کو سوجھی کیا ! بیٹھے بٹھائے لمڈے کو ولایت بھیج کر کرسٹان بنوا دیا ! خدا کا وہ نہیں ۔ رسول کا وہ نہیں دین کا وہ نہیں دنیا کا وہ نہیں ۔ رات دن شراب ہے اور وہ ہے ! پی ہم نے بھی ہے اور تم سے کیا چھپائیں اب بھی عذر نہیں مگر بھائی یہ تھوڑی کہ ہر وقت دھت بنے ہوئے ہیں ؛

مرزا - شریف یار تو ہے بڑا ذلیل ابے اپنی تو کہہ تو نے عمر بھر میں کے دفعہ نماز پڑھی ہے وہ تو اخیر کا بچہ ہے اللہ نے اوپر سے اسکو حکومت دی جو نہ کرے وہ تھوڑا ؛

شریف - ایک تو ہوتا ہے الو اور تو جو ہے تو الو بھی نہیں الو کا پٹھا ہے ! مرزا جی یار برا نہ ماننا ابے ہمارا کیا ہے ! چوبیس برس حجرہ مسجد کے نیچے ہی

بڑے بیچے مگر کس مردود کو یہ بھی خبر ہوگی کہ حوض کدھر ہے۔ اگر بھائی ہم لاکھ
نماز نہ پڑھیں اللہ کو اللہ تو سمجھتے ہیں وہ تو سرے سے اللہ ہی سے پھرا
ہوا ہے پھر دیکھ لو کیا پھٹکار برس رہی ہے۔ خدا کی قسم بات کرتے ڈرے،
ڈر لگتا ہے رحیم بیچارا لینے ہیں نہ دینے ہیں پرسوں مارے چابکوں کے کھال
اکھیڑ دی ؛

مرزا۔ بنے اس کا تو کچھ دلانت جا کر رخ ہی بدل گیا۔ یہ وہی مقصود ہے
جس کے ہاتھوں ہم نے چاندی رد لی ہے۔ اب تو بھائی اگر پوری تنخواہ بھی
پٹ جائے تو غنیمت ہے۔ دو دن بخار آگیا تھا جھٹ سات آنے کاٹ
لئے۔ کوئی کبھی تو خوش نہیں اکو جوان ہے وہ جھینک رہا ہے سیس ہے
وہ پیٹ رہا ہے بھائی صمد چلے ہی گئے ایک حسّورہ گیا ہے صبح شام
وہ بھی چلا مصیبت تو بھائی میری ہے اب بتاؤ اس بڑھاپے میں کان
کان کی ٹھوکریں کھاتا پھروں کئی دفعہ جی میں آئی کہ لعنت بھیجوں مگر
پھر یہی سوچ کر چپ ہو گیا کہ کہاں مارا مارا پھروں گا اور تھوڑی سی رہ گئی
ہے اسے بھی گزار دوں۔ تم اپنی کہو آج کل کیا کر رہے ہو ؛

شریف۔ کیا خاک کر رہا ہوں روٹی جڑتی ہے تو کپڑا نہیں کپڑا ہوتا ہے
تو روٹی نہیں۔ عید سر پر آگئی کوڑی پاس نہیں گھر والی نے پندرہ پندرہ دن
سے ایک حشر مچا رکھا تھا چاہے چوری کرو چاہے ڈاکہ ڈالو منے کو جوتی
پہنا کر لاؤ خاں صاحب سے جا کر دو روپیہ لایا جوتی دکھا کر اپنے بچے ہی
کھلے رہے۔ اور ان کو ڈیڑھ کی جوتی پہنائی دوپہر کو جوتی پہنا کر لایا ہوں چار گھڑی

دن رہے جو آکر دیکھتا ہوں کہ دروازے پر کھڑا رو رہا ہے اب بہتیرا پوچھتا ہوں اے بھائی ہُوا کیا مجال نہیں کہ ٹس سے مس ہو جائے۔ رو دیتے تو جاتا ہے مگر بولتا نہیں لڑکی نے آکر کہا ابا جو ایک جوتی چوپچے میں پھینکا بابا تو میاں اب وہ ایک پیر رہ گیا ہے چاہے اوڑھو چاہو بچھاؤ نہ اُس پھینکنے والے کا کچھ گیا نہ اُس منگوانے والی کا کچھ بگڑا مجھ پر مفت میں ڈیڑھ کی ٹھک گئی! بڑے میر صاحب! زندہ تھے تو اڑے تھڑے وخت بے وخت پیسہ دھیلے سے سلوک تو کر دیتے تھے اب تمہارے جنٹ صاحب کے دروازے پر تو سُنا ہے فقیر تک کے جانے کا حکم نہیں ❊

(۲)

مسٹر مقصود کا بنگلہ

ہاں ہاں میں کہہ چکی مجھے معاف کرو ❊

مقصود۔ مجھ کو افسوس ہے کہ تم نہایت بدنصیب عورت ہو جس جگہ میں تم کو لے جانا چاہتا ہوں وہ ایسی جگہ ہے کہ شاید تم نے کیا تمہارے خاندان بھر نے کبھی خواب میں بھی نہ دیکھی ہوگی! اگر تم کو ایسی سوسائٹی سے انکار ہے تو میں متیقن ہوں کہ تم بدنصیب ہونے کے علاوہ بے وقوف بھی ہو! مسز قلب اور مسز جونز دونوں وہاں ہوں گی اگر تم کو ناچتے ہوئے شرم آتی ہے تو صرف ڈنر میں شریک ہو جانا مجھ کو اُمید ہے کہ تم چھ بج کر بیس منٹ پر کلب گھر چلنے کے واسطے تیار ہوگی ❊

بیوی۔ نوج! میں تیار ہوں! خدا مجھ کو اُس وقت زبان کا پیوند کر دے جب

میں وہاں چل کر کھانا کھاؤں انا چاہیں گی وہی جن کے ہاں ہو رہی آئی ہے مجھ
سے تم ایسی باتیں نہ کیا کرو میں ایسی عنایت سے باز آئی میرا دل تم سے بات
کرنے کو نہیں چاہتا *

مقصود (گھڑی دیکھ کر) چار بجنے میں دس منٹ ہیں ٹھیک پانچ بجے مجھ
کو ٹمپلس میں پہنچنا ہے میں چاہتا ہوں تم اس معاملہ میں مجھ سے قطعی گفتگو
کر لو اور وہ بھی صرف اس وجہ سے کہ میں مسز ہاربرٹ کو لکھ چکا ہوں کہ
مسز مقصود ضرور شریک ہوں گی *
کیوں تم کو ایسی لیڈیز کی صحبت میں شریک ہونے سے انکار ہے
جن کا شمار اعلیٰ طبقہ میں کیا جا سکتا ہے ؟

بیوی - ہاں ہاں میں کہہ چکی مجھے معاف کرو! خدا معلوم تم کیوں مجھ سے
ایسی باتیں کیا کرتے ہو مسز فلپ جیسی اعلیٰ طبقہ کی ہیں مجھ کو خوب معلوم
ہے ایسی عورتوں سے ملنا تم کو ہی مبارک ہو *

مقصود - کیا تم نے ان کے چال چلن کی بابت کبھی کوئی لفظ خلاف تہذیب سُنا ؟

بیوی - تم میرا منہ نہ کھلواؤ مجھ کو سب معلوم ہے تم کو اختیار ہے تم ان کو
جو چاہے سمجھو میں تم کو تو منع نہیں کرتی *

مقصود - تم کو ایک کنواری ایک پاکدامن لڑکی کی نسبت ایسے الفاظ کہنے
میں سخت احتیاط کرنی چاہئیے *

بیوی - (ہنس کر) وہ کنواری سہی پاکدامن سہی بلکہ اس سے بھی زیادہ سہی
پھر مجھے کیا!

مقصود۔ بہرحال تم کو بہ حیثیت بیوی ہونے کے میرے حکم کی تعمیل کرنی پڑے گی۔

بیوی۔ اگر حکم قابل تعمیل ہو تو سر آنکھوں سے! تم نے اس دن میرا تین سو روپیہ کا چندن ہار ان کو دے دیا میں نے اُف تک نہ کی۔ خدا کی قسم اگر تم اپنے ہاتھ سے تمام زیور لٹا دو تو تم پر سے قربان کر دوں مگر مرے ہوئے باپ دادا کی لاج بزرگوں کی عزت چاہے تم بگڑو چاہے سنوارو جب تک جان میں جان ہے یہ ہاتھ سے نہ دوں گی۔

مقصود۔ کیا تم قیدیوں کی طرح اپنی زندگی گزارنی پسند کرتی ہو؟ آدھ بننے کی کوشش کرو اور ذرا اس احاطہ سے باہر نکل کر دیکھو دنیا میں کیا ہو رہا ہے!

بیوی۔ تم جس کو قید کہتے ہو میں اس کو جوہر شرافت خیال کرتی ہوں اور نعمت سمجھتی ہوں! اگر میں بدتہذیب ہوں تو کیا تم مہذب عورت سے یہ امید رکھتے ہو کہ وہ آدھی رات اور پچھلے پچھلے پہرے تمہارے واسطے کھانا گرم کرے گی اور پکائے گی۔

مقصود۔ اس کا میں احسان مند ہوں!

بیوی۔ میں تو اس کو ہمیشہ اپنا فرض سمجھتی ہوں خدا وہ دن نہ دکھائے کہ میں اس کو احسان سمجھ کر کروں۔

مقصود۔ اگر تم علم سے محروم نہ ہوتیں تو ضرور ہر جا نا ممکن تم میرے ساتھ چلتیں۔

بیوی۔ خدا کا لاکھ لاکھ شکر ہے جتنی تمہاری مس فلپ انگریزی جانتی ہیں اتنی ہیں اُردو جانتی ہوں جس قدر وہ اپنے مذہب سے ہوں گی ہیں اُن سے زیادہ اپنے مذہب سے واقف ہوں البتہ ایک فرق ہے اُن کی نگاہ سے صبح سے شام تک اسینکڑوں مرد گذرتے ہیں۔ مجھ کو یہ اتفاق کبھی نہیں ہوتا ۔:

مقصود۔ سب سے بڑا فرق تو تم تہذیب وخلق کا دیکھ سکتی ہو جس کا تم میں پتہ نہیں ۔:

بیوی۔ سبحان اللہ اخلق وتہذیب کا نمونہ تو ایک تم ہی بیٹھے ہو چاہے کوئی مرتے مر جائے مگر تمہاری بلا سے! میری بڑھیا کی نواسی کو پرسوں بخار ہوگیا تھا۔ دن بھر میں نے اپنے ہاتھ سے دوا پلائی ہے! اب میں جاتی ہوں میری عصر کی نماز قضا ہو رہی ہے ۔:

(۳)

حیات آباد شہر تو کچھ ایسا بڑا نہ تھا مگر چھاؤنی کی وجہ سے عجیب رونق پر تھا مقصود کو چھٹی پر آئے تیسرا مہینہ ہوگا کہ نومبر کے رسالے میں کالے بگڑے جب تک گوروں کی فوج سرکوبی کو آئے کالوں نے تو حیات آباد کو سر پر اُٹھا لیا دوپہر تک تو نشان گمان بھی نہ تھا بارہ بجے کی توپ خاصی اچھی طرح چھوٹی تین بجتے بجتے تو گلی کوچوں میں خون کی تلیاں بہہ رہی تھیں کیسا مصیبت ناک وقت تھا۔ بکروں کی طرح آدمی ذبح ہو رہے تھے۔ بڑے بڑے مالدار چار چار پیسوں کے واسطے موت کا شکار ہو گئے۔ کہیں دو بجے رات کے گوروں کی فوج پہنچی تو وہ زور کم ہوا افتنہ فرو ہو چکا تو تحقیقات

شروع ہوئی کہ باغیوں میں کون کون شریک تھا۔

حیات آباد کی سرحد سے ملا ہوا موضع حسن پور بیس بسوے کا گاؤں تھا جس پر دونوں بہن بھائی مقصود کے ماموں اور ماں نصف و چوتھائی کے حصہ دار تھے ماں کے دم تک تو مقصود خون کے سے گھونٹ پی پی کر چپکا بیٹھا رہا مگر ماں کے مرتے ہی ظالم اس فکر میں پڑ گیا کہ کسی صورت حسن پور سالم میرے قبضہ میں آ جائے سینکڑوں تجویزیں ہزاروں کوششیں لاکھوں جتن سب کچھ ہی کر ڈالا مگر ایک نخیلی کے چلے بیٹے ماموں مامانی بھی ایسے بچے نہ تھے کہ اس کے پھندے میں پھنس جاتے لیکن اب مفسدہ وچو سنئے والے بنا نہ تھے اسفاک بیرحم ایک عرصہ سے تاک میں تھا۔ غدر کو نعمت اور تحقیقات کو غنیمت سمجھ کر سازش کا تمام الزام ماموں کے سر تھوپ غریب کو حبس دوام بعبور دریائے شور اور ممانی کو عمر بھر کے واسطے زندہ درگور کر دیا۔

وہ نہایت دردانگیز وقت تھا جب آخر پیشی کے روز ممانی اپنے آٹھ برس کے بچے محمود کا ہاتھ پکڑے ہوئے مقصود کے سامنے آ کر کھڑی ہوئی آنکھ سے آنسو بہہ رہے تھے ہاتھ جوڑ کر کہنے لگی۔

"بیٹا مقصود ہم پر رحم کر میں نے تجھ کو دودھ پلایا ہے۔ للہ ترس کھا سارا گاؤں لے دونوں مکان لے مگر اتنی بربادی نہ کر۔"

مقصود۔ یہ الفاظ آپ کی زبان سے بہت دیر میں نکلے اب ان کا وقت نہیں رہا۔ کیونکہ اب میں کچھ کرنا پسند نہ کروں گا البتہ اتنا کر سکتا ہوں کہ اپنی اٹھارہ سو روپیہ کی ڈگری کا اجرا چار روز کے واسطے ملتوی کر دوں۔

ماموں جان غالباً کل شام کو کالے پانی بھیج دیئے جائیں اس کے بعد تین روز نہایت کافی وقت ہے۔

چاہئیے کہ مقصود حقیقی ماموں کو برباد اور ممانی کو تاراج کرکے چین سے بیٹھ جاتا! نا ممکن! اس نے اپنی زندگی کا سب سے بڑا اصول صرف ضرر رسانی قرار دیا تھا خواہ ماموں ہوں یا ممانی المیاں کے جلاوطن ہونے پر بیوی اور بچہ دونوں اس کی جان کو دعائیں دے رہے تھے اتفاق سے ایک روز دوپہر کے وقت بچہ ایک تصویر ہاتھ میں لئے ہوئے ماں کے پاس آبیٹھا!

یہ ایک حسرت نصیب عورت کی تصویر تھی جو سمندر کے کنارے کھڑی تھی اور اس کا خاوند سفر کر رہا تھا کچھ دیر تک تو وہ پانی کی موجوں کو غور سے دیکھتی رہی لیکن جس وقت جہاز روانہ ہوا اور میاں بیوی کی چار آنکھیں ہوئیں۔ فرط محبت سے بیچین ہو کر کہنے لگی۔

"آہ یہ سفر ہمیشہ کے لئے نہ ہو!"

مصیبت زدہ بیوی نے محمود کے ہاتھوں سے لیکر اس تصویر کو دیکھا! اپنے بے گناہ خاوند کی مسکینی اور غربت کا خیال آنا تھا کہ طبیعت کی بیچینی اور زیادہ ہوئی اسوچنے لگی! اے اللہ مجھ سے بڑھ کر بدنصیب اور کون ہوگا جس کے ساتھ عمر بسر کرنی تھی وہ کالے کوسوں پہنچ گیا اور میں بے حیا اب تک زندہ ہوں! بچے کی بہار کے دن آئے تو چمن ہی اجاڑ ہو گیا! یہ پہاڑ سی زندگی کیوں کر کاٹوں میں مظلوم یہ معصوم کروں تو کیا! ہائے میرے اللہ میں تو قصور بھی معاف نہ کر سکی کلیجہ کے ٹکڑے پہلے ہی اڑ رہے تھے معافی

تصور کا خیال آنا تھا بالکل ہی بے اختیار ہو گئی اور بے اوسانی میں چلا اُٹھی ؛

"میں لونڈی ہوں میرا قصور معاف کر دینا" ؛

ماں کی آواز سنتے ہی بچہ دوڑ کر لپٹ گیا اور گلے میں ہاتھ ڈال کر کہنے لگا اماں بی کس کی لونڈی ہو ؛

بچہ کا کلیجہ سے لگنا تھا اور زیادہ جی بھر آیا خوب روئی ماں کو روتا دیکھ کر بچہ بھی رونے لگا۔ رو چکی تو دوپٹہ کے کونے سے آنسو پونچھے بچے کو پیار کیا اور کہا:-

"میرے چاند میں صدقے تو کیوں روتا ہے" ؛

ماں بیٹے ابھی رو ہی رہے تھے جو کسی نے کنڈی کھٹکھٹائی ماما کو بھیج کر دریافت کیا تو معلوم ہوا میاں مقصود کچہری کے دو آدمیوں کو لے کر آئے ہیں یا اٹھارہ سو روپیہ دو نہیں تو پردہ کر لو ؛

بانصیب بی بی کچھ دیر تک تو سوچتی رہی اور پھر یہ کہتی ہوئی صحنچی میں چلی گئی کس کا روپیہ اور کیسا روپیہ ؛

دو چپڑاسی ایک قرق آمین اور مسٹر مقصود اندر داخل ہو گئے! امیر کا گھر برسوں کا بنا ہوا گھر کی ایک ایک چیز منہ سے بول رہی تھی! آناً فاناً تمام چیزیں سمیٹ سمٹا باہر بھیجنی شروع کیں! کلیجہ کٹ جانے والا وقت وہ تھا جب مقصود کے اشارے سے قرق آمین نے ولایتی پنجرا اُٹھایا جس میں بچے کا طوطا تھا! پنجرا اُٹھاتے ہی بچہ بلک گیا اور ہاتھ جوڑ کر مقصود سے

کہنے لگا:-

"اچھے بھائی جان میرا مٹھو نہ لو"۔

وہ بہت دردناک وقت تھا جب محمود ہاتھ جوڑے مقصود کے قدموں میں کھڑا کہہ رہا تھا اور گردن اونچی کئے اس اُمید پر اُس کا مُنہ تک رہا تھا کہ شاید پنجرا رکھوا لے۔ جب سنگ دل مقصود نے جھڑک دیا تو روتا ہوا اماں کے پاس گیا اور کہنے لگا:-

"اے بی اماں میرا مٹھو بھی لے گئے"۔

(۴)

مقصود۔ لیکن مسٹر فلپ ڈیوارز سپیشل وسکی اور ایسی تیز! میرے تجربہ میں گرین سیل سب سے بہتر چیز ثابت ہوئی ہے۔

فلپ۔ مسٹر کوک نے اس کی سفارش کی تھی (کچھ دیر سکوت کے بعد) ویل مسٹر مقصود آپ نے اپنی بیوی کی بابت کیا فیصلہ کیا؟

مقصود۔ وہ کچھ قدرتی طور پر نہایت متدن عورت واقع ہوئی ہے اور چونکہ ایک سخت مذہبی باپ کی بیٹی ہے اس لئے ہر وقت اور ہر معاملہ میں اپنے خدا کو ضرور شامل رکھتی ہے۔ اگرچہ سچ یہ ہے میں نے توحید و تثلیث دونوں پر بار ہا غور کیا۔ میری سمجھ میں یہ سب ڈھکوسلا ہے! (قہقہہ) سنتا ہوں اُس کا کوئی فعل حکمت سے خالی نہیں مگر میں تو شب و روز ایسے واقعات دیکھتا ہوں جن میں کوئی مصلحت نظر نہیں آتی۔ قحط سے سینکڑوں جانیں بلا ضرورت ضائع ہوتی ہیں۔ وبا سے ہزاروں آدمی بے خطا مر جاتے ہیں! کیا یہ فعل اُس

شخص کے ہو سکتے ہیں جو رحم دل سمجھا جائے! (پی کر) عورت کے معاملہ میں تو مسلمانوں نے واقعی ہٹ دھرمی کر رکھی ہے تعلقات باہمی میں اس کے حقوق بالکل نظر انداز کر دیئے ⁂

فلپ۔ میں دیکھتا ہوں کہ بیوی کی طرف سے آپ بہت پریشان ہیں آپ اس باقی گلاس کو ختم کیجئے ⁂

مقصود (پی چکنے کے بعد) میں اب جانا چاہتا ہوں! میری طبیعت خراب ہو گئی ⁂

مقصود کو شراب پینے کا آج پہلا اتفاق تو تھا ہی نہیں ما شاء اللہ عمر اسی میں گذری تھی مگر خدا معلوم فلپ نے کیا ستم کیا کہ ایک ہی پیگ میں حواس باختہ ہو گیا! چکر آئے جی متلایا نئے ہوئی نشہ تھا کہ اور زیادہ ہوا! جانے لگا تو برآمدہ میں سپوٹ (ریڈانگ) رانتیب کھا رہا تھا! ویل ویل کہتا ہوا جو اُس پر جھکا تو دھڑام سے اوپر گر پڑا! اتنا تو ہم بھی جانتے ہیں کہ کتنا بلڈانگ تھا مگر یہ خدا ہی جانے کہ بلڈ ڈگیسٹ کی وجہ سے یا یہ سمجھ کر کہ مقصود میرے رانتب میں حصہ بٹائے گا سپوٹ بگڑ گیا! وہ تو یہ خیر ہوئی کہ مسٹر فلپ ساتھ تھے کتے کو سمجھا بجھا کر الگ کیا اور مقصود کو اٹھا اٹھو کر گاڑی میں لائے ورنہ شراب کا پورا مزہ آجاتا ⁂

اتفاق یہ کہ ہولی کا تھا دن اور مقصود کا کوچوان پورب کا منہی! ادہ بھی نشہ میں چور تھا مسٹر فلپ سے کیا کہتا ہے:۔

بس رہٹو باہوجی! جات ہے ⁂

فلپ - یوسٹور ہم بابو ہے۔

کوچوان - اجی نہیں ہم تو اپنا بابو سے پوچھت ہے۔

فلپ - وہ بھی بابو نہیں ہے۔

کوچوان - اجی ..... ہمکا تو سب بابو ہیں ..... یا گھوڑا بابو ہے ...... لال ...... ٹیلنٹو بابو ہے یا کوٹھیو بابو ہے!

فلپ - ہنس کر اچھا جاؤ مگر بہت ہوشیاری سے جاؤ۔

اِدھر آقا اُدھر کوچوان دونوں بیہوش اب گاڑی گھوڑے کا اللہ ہی نگہبان تھا! بندر کی بلا طویلے کے سر۔ منٹھی کو جو نشہ میں کچھ ترنگ سوجھی تو ہنٹر لے کر گھوڑے کو سوت دیا! گھوڑا غریب سٹ پٹا گیا کہ یہ آفت کیا آئی چل رہا ہوں بھاگ رہا ہوں اور ہنٹر پر ہنٹر پڑ رہا ہے! جانور تھا تو بلا سے جان تو رکھتا ہی تھا کب تک پٹتا اور کیوں پٹتا گاڑی سمیت نالی میں جا پڑا! خیریت یہ ہوئی کہ مقصود الگ جا کر پڑا مگر کوچوان کی بائیں ٹانگ تو بم کے نیچے ایسی دبی کہ بہتیرا اینڈا پٹکا مگر ٹانگ نہ نکلنی تھی اور نہ نکلی! لیکن کیا پابند وضع آدمی تھا اُسی طرح ہنٹر پٹخارتا رہا اور یہ ہی کہتا رہا! واہ بیٹے گھوڑے واہ!

ظاہری وقعت کے اعتبار سے میاں مقصود کے خوشامدی کتنے ہی کیوں نہ ہوں مگر دلی خیرخواہ تو بستی بھر میں ایک اللہ کا بندہ بھی مشکل سے ہوگا! اگر کہیں مقصود گاڑی کے نیچے دب جائے تو انشاءاللہ تڑپ ہی تڑپ کر مرے اور دیکھنے والے منہ پھیر کر چل دیں! تقدیر کا زبردست تھا گرا بھی تو بال بال بچا گاڑی تو ضرور چور چور ہو گئی لیکن وہ خود اپنے کپڑے

جھاڑ جھوڑ اُٹھ کھڑا ہوا۔ گھر آیا تو محلّہ کی مسجد میں وعظ ہو رہا تھا اور مولوی صاحب جھوم جھوم کر فرما رہے تھے:۔

آج وہ رات ہے کہ آسمان اول پر باری تعالیٰ نزول فرما کر کہتا ہے (رو کر) "ہے کوئی جو مجھ سے مغفرت طلب کرے اور میں دوں"!

منقصود کو اس فقرے پر بے اختیار ہنسی آئی قہقہہ لگاتا ہوا گھر آیا پلنگ پر لیٹ کر سوچنے لگا کہ دنیا بھر کے بھید کھلے مگر نہ کھلا تو خدا کا! اسی خیال میں تھا کہ نیند آ گئی! اب ایک اور ہی سماں آنکھ کے سامنے تھا:۔

(۵)

خواب

ایک جنگل بیابان ہے جہاں کوسوں انسان کا پتہ نہیں! برسات کا موسم پھیلا پھر دھواں دھار گھٹا مہین مہین پھوار کالے کالے بادل اودی اودی بدلی! ہر چند آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھتا تھا لیکن ایک ہو کا میدان تھا آدمی نہ آدم زاد جہاں تک نظر جاتی تھی اور جس طرف دیکھتا تھا جنگل ہی جنگل تھا! دفعتہً ایک ایسی ہیبت ناک آواز کان میں آئی کہ کلیجہ چار چار ہاتھ اُچھلنے لگا ہاتھ پاؤں لرزنے لگے بدن میں تھرتھری پڑ گئی آنکھوں میں اندھیرا چھا گیا!! بھاگا دوڑا! چلتے چلتے پاؤں تھم ہو گئے گھورتے گھورتے آنکھیں پتھرا گئیں مگر کسی طرح چھٹکارا نہ ہوا! سوچ رہا تھا کیا کروں کہاں جاؤں کس کو بلاؤں ایک طرف سے اذان کی آواز آئی اُسی طرف چلا پاس جا کر دیکھا تو کیکر کے درخت میں سے آواز نکل رہی تھی پھر دیکھتے ہی جان

نکل گئی ڈر کر بھاگا تو ایک اژدھے نے اس زور سے پھنکار ماری کہ جنگل
پھر گونج اُٹھا آگے بڑھا تو برابر سے چٹر چٹر کی آواز آئی غور سے دیکھا تو
ایک چیتے کی سی صورت تھی جو کسی کو دبوچے تھا! رنگ فق ہو گیا چہرہ پر
ہوائیاں اُڑنے لگیں اب مقصود کو یقین ہو گیا کہ جان بچنی مشکل ہے۔ جدھر
جاتا تھا راہ نجات مسدود تھی خدا خدا کرکے ایک چار دیواری دکھائی
دی سنگ مرمر کا عالی شان دروازہ تھا شکر کرتا ہوا ادھر چلا اور لپک کے
اندر گھس گیا دیکھتا ہے تو ایک خوب صورت بارہ دری ہے ٹاٹ پٹی کے پردے
پڑے ہوئے ہیں۔ کافوری شمعیں روشن ہیں! اُوارڑی پلنگ بچھے ہوئے
اُجلی اُجلی چادریں کسی ہوئی میزیں کرسیاں غالیچے قالین فرش فروش ایک
سے ایک بیش قیمت کورے کورے مٹکے سونا ہی سونا ہی صراحیاں قلعی دار
کٹورے! یہ سب کچھ ہے مگر نہ انسان نہ حیوان! مقصود کی تو یہ سامان دیکھ
کر جان میں جان آگئی جھٹ ایک آرام کرسی پہ جا لیٹا! دو چار لمحہ سکون
کے گزرے ہوں گے کہ ایک پیر مرد سپید ڈاڑھی سر پر عمامہ ہاتھ میں تسبیح
اندر تشریف لائے! مقصود تعظیم کو اُٹھا اور نہایت عاجزی سے کہا
"سَلَامٌ عَلَیْکُم" ابھی سلام ختم نہ ہوا تھا کہ پیر مرد نے ایک تھپڑ منہ پر
اس زور سے دیا کہ چہرہ پھر گیا ؂

مقصود۔ بیشک میں بلا اجازت اندر آ گیا مگر جس وقت جناب امیرے
واقعات سُنیں گے مجھ کو پورا الیقین ہے ہمدردی فرمائیں گے ؂

پیر مرد نے یہ سُن کر ایک تھپڑ دوسری طرف بھی دیا ؂

مقصود۔ مگر مجھ کو اجازت دیجئے۔ کہ اپنی حالت کا اظہار جناب پر کر دوں

اتنا سنتے ہی پیر مرد جھک کر مقصود کی پیٹھ پر سوار ہو گئے ÷

مقصود۔ جناب کا اسم گرامی ؟

پیر مرشد۔ فرشتہ کہتے ہیں ÷

مقصود۔ مجھ کو جناب کے شیطان یقین کرنے میں کچھ شبہ ہے ÷

(اتنا) کہنا تھا کہ پیر مرد نے پیٹھ پر سے اتر مقصود کے دونوں کان

پکڑے اور چاک پھیری پھرانی شروع کی ÷

مقصود۔ حضور آپ فرشتہ نہیں تھا اسہی مگر میرے کان ٹوٹے غریب

پرور میری جان نکلی ÷

پیر مرد نے مقصود کو چھوڑا مگر چھوڑتے ہی اس زور سے کلے میں کاٹا

کہ چکتا پڑ گیا ÷

مقصود۔ او بدتمیز بد تہذیب یہ کیا کرتا ہے ÷

اب پیر مرد نے فٹ بال کی طرح مقصود پر ٹکریں اڑانی شروع

کیں کبھی ادھر اچھالا کبھی ادھر اچھالا ÷

مقصود۔ آپ پہلے شخص ہیں کہ تمام عمر میں ایسے بد تہذیب آدمی سے

مجھ کو سابقہ پڑا ÷

پیر مرد۔ مگر اے ملعون تو مجھ سے بہت زیادہ بد تہذیب ہے ÷

مجبور مسٹر مقصود۔ دروازے کی طرف یہ کہہ کر چلے میں پولیس

کو بلاتا ہوں ÷

پیر مرد۔ (گردن پکڑ کے)! ادھر آؤ میری جان چلے کہاں ÷
مقصود۔ او نالائق کوئی وجہ نہیں کہ میں تیری زحمتیں بھگتوں ÷
پیر مرد۔ اچھا آپ مہربانی فرما کر ذرا اچک کر گھوڑا بن جائیے! اب تو تہذیب سے کہہ رہا ہوں ÷
مقصود۔ مجھ کو اس قدر تکلیف دے کر آپ کو کیا مزہ آرہا ہے ÷
پیر مرد۔ (دھکا دے کر پیٹھ پر سوار ہونے کے بعد) امیاں تو ہمارا مہمان ہے ÷
مقصود۔ بدمعاش کم بخت ÷
پیر مرد۔ اچھا اب تو اکیس چکر اس کمرے کے کاٹ مگر شرط یہ ہے کہ سانس نہ ٹوٹنے ÷
مقصود۔ میری رائے میں تو ہر گز انسان نہیں ہے! بے ایمان ÷
پیر مرد۔ (مقصود کی ناک زور سے بھینچ کر) اچھا تو جانور سہی ÷
مقصود۔ او ملعون میری ناک چھوڑ ابے چھوڑ خدا کے واسطے چھوڑ اجی حضرت چھوڑ دیجئے قبلہ للہ چھوڑ دیجئے ÷
پیر مرد۔ ابھی سے ÷
مقصود۔ مجھ کو چھینک آرہی ہے ممکن ہے کہ جناب کا ہاتھ خراب ہو جائے ÷
پیر مرد۔ میرے ہاتھ میں کھجلی ہو رہی ہے کہ جناب کی ناک ٹوٹ جائے (ایک ہنٹر لگا کر) آہا ہا بھئی قسم ہے خدا کی کیا آواز ہوتی ہے مزہ آگیا ÷
مقصود۔ (بلبلا کر) اجی بندہ نواز ابے اُلو کے پٹھے اُتر بے ایمان تو ہے کون ÷
پیر مرد۔ (مقصود کی گردن اپنی ٹانگوں میں بھینچ کر) اچھا تم پہلے زور کر لو ÷

دیکھی جائے گی۔

مقصود۔ یا اللہ میں کس مصیبت میں آ پھنسا۔

پیر مرد۔ اللہ کا شکر ہے کیا وضعدار مہمان دیا ہے کو لربھی ٹاتی بھی +

مقصود۔ بیرا! چپڑاسی! مرزا حسو! اجی بڑے صاحب گردن چھوڑ دو! خدارا یہ تو فرمایئے آپ ہیں کون صاحب؟

پیر مرد۔ الگ ہٹ کر +

میں تیرے اس ماموں کی روح ہوں جس نے آج علی الصباح جزائر انڈمن میں اپنے فانی جسم کو الوداع کہا! تو نے جیسا سنگدلی کا برتاؤ میرے اور میرے بیوی بچے کے ساتھ کیا اس کو میرا ہی دل جانتا ہے۔ اے شقی ازلی تو نے محض اپنے ذاتی فائدہ کی غرض سے ایک ایسے میاں بیوی کو برباد کر دیا جو نہایت اطمینان سے اپنی زندگی بسر کر رہے تھے! دنیا کی تمام راحتیں اُن کو میسر تھیں اور محبت جو سب سے بڑی نعمت ہے اُن کے ساتھ تھی! اے بیرحم وہ دو انسان جن کی تمام خوشیاں جن کے تمام ارمان ایک دوسرے سے متعلق تھے تو نے قبل از وقت اُن کا خاتمہ کر دیا!! وہ مرد عورت جو تمام عمر کے واسطے ایک دوسرے کے رنج و راحت میں شریک تھے تیرے ہاتھوں اور صرف تیرے ہاتھوں ایسے جُدا ہوئے کہ پھر نہ مل سکے!! آہ! جو عمر بھر کے واسطے تابعدار ہو چکی تھی جس کی زندگی کا مقصد صرف فرماں برداری تھا اے مقصود تیری بدولت اپنا کوئی حق ادا نہ کر سکی۔ اے جفا کار آنکھ سامنے کر! جس کی شرمگین

نگاہوں نے گھونگٹ میں وفاداری کا اقرار کیا تھا تیری وجہ سے ہاں ہاں تیری وجہ سے مرد سے پر بھی نہ آسکی او وہ بھولی صورت وہ قابل رحم مخلوق جو اپنے جیتے جاگتے عزیز واقارب چھوڑ چھاڑ ایک غیر شخص کے پلے آکر پڑی اجس نے اپنی عزت اپنی عصمت اپنی زندگی غرض ہر چیز کا دار و مدار ایک اجنبی دم پر منحصر کر دیا افسوس افسوس افسوس مقصود اُس کی آنکھیں ترستی رہیں اور کامیاب نہ ہوئیں اسے بیرحم ایک وارث والی کو بے وارث کر دیا ۞

اسی دنیائے ناپائدار میں بہت سی متبرک صورتیں اور ہزاروں اللہ کے بندے ایسے دکھائی دیں گے جو رانڈوں دکھیاریوں مصیبت کی ماریوں پر اپنا عیش و آرام قربان کر دیتے ہیں خود زیربار ہوتے ہیں تکلیف اُٹھاتے ہیں اور اُن کی دلجوئی کرتے ہیں !! تو اس دادا کا پوتا ہے جو ظہر کی نماز پڑھ کر محلہ بھر کی رانڈوں اور بے وارثوں کا گوشت ترکاری پوٹ کی پوٹ کندے پر رکھ کر لاتے تھے۔ مگر اے انسان کی صورت میں حیوان اے منحوس بیوفا منحوس بے ایمان مقصود احقیقی ممانی ماں سے زیادہ چاہنے والی ممانی دودھ پلانے والی ممانی اپنے بچے کا پیٹ کاٹ کر اُس وقت تیرا پیٹ بھرنے والی ممانی جب تو کسی قابل نہ تھا تیرے ہاتھ سے شوہردار بیوہ ہوگئی ۞

مقصود اموضع حسن پور نہ سدا میرے پاس رہا نہ تیرے پاس رہیگا مگر یہ بدنما دھبہ یہ سیاہ داغ یہ کلنک کا ٹیکا چودھویں رات کے چاند کی طرح تیرے نامہ پر روشن رہے گا ۞

انڈمن پہنچتے ہی جب میرے سامنے برابر کی مٹی ملی ہوئی جو کی روٹی آئی اور حلق سے نہ اُتر سکی میں نے رو کر کہا اے خالق الموجودات ان آفات سے اب نجات دے اکیس [۲۱] روز کی مصیبتیں بھگت لینے کے بعد یہ دعا مقبول ہوئی مگر ہائے ستم شعار! محمود آہ محمود' میرا چھوٹا سا محمود وہ محمود جو کبھی دم بھر آنکھ سے اوجھل نہ ہوا تھا ہمیشہ کو جُدا ہو گیا! اے مقصود دم واپسین سینہ میں تھا اور آنکھیں اُس پیارے بچّہ کو چاروں طرف ڈھونڈھ رہی تھیں۔

اے ظالم تو نے اُس عورت کی آہ لی ہے جو بیگم بن کر آئی اور لونڈی بن کر رہی! چوبیس برس کا ساتھ اے فتنہ پرداز فقط تیری وجہ سے چھوٹا۔

بلیموں کی نازبرداری شیوۂ انسانیت ہے مگر تو نے اپنی زندگی میں ایک ایسا کارنمایاں کیا جو صفحہ ہستی پر ہمیشہ یادگار رہے گا۔

وہ جسد خاکی جس نے کئی گھنٹہ تڑپ تڑپ کر مجھ سے مفارقت کی جزائر انڈمن میں جیل خانہ کی لپشت پر گھیکوار کے پاس ایک گڑھے میں دبا دیا۔

جا اپنا کام کر! مگر اتنا یاد رکھیو آج ایک بیگناہ کے جلا وطن کرنے میں مسٹر ٹکر کے اجلاس سے تجھ کو کامیابی ہوئی مگر کل ایک وقت ایسا آئے گا اور ضرور آئے گا کہ تیرا بڈھا ماموں تیری مظلوم ممانی اور ایک آٹھ برس کا معصوم بچّہ ایک سچے دربار میں ایک اچھے دربار میں تیرے ظلم کی فریاد کر کے عادل حقیقی سے انصاف کے طلبگار ہوں گے!

مقصود! وہ نہایت نازک وقت ہوگا اور عدالت ایسی عدالت ہوگی جس کا فیصلہ دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی ہوگا۔

مگر کیا دیکھا؟

دلّی دیکھی، دلّی والے دیکھے، گورے دیکھے، کالے دیکھے، بستی، بستی کی رونق، بستی والوں کے کارنمایاں، جو کچھ دیکھا، دل کھول کر دیکھا، اور پیٹ بھر کر دیکھا، مگر کیا دیکھا؟ ایک قصبہ دیکھا جس کے مرغزار، ایک گھر دیکھا جس کے درو دیوار، عبرت کی داستان سنا کر، آٹھ آٹھ آنسو، رُلا رہے تھے ؛

چودھویں تاریخ کا چاند آسمان سر پر تھا، آدھی رات کے قریب گزر چکی تھی، اور دریائے جمنا قلعہ شاہجہانی کو کنار میں لئے لہریں لے رہا تھا، شہر کا چپہ چپہ، چوتھی کی دُلہن بنا ہوا تھا، رعیت شاد، دل آباد، بڈھے شاداں، بچے فرحاں، غرض ہر پیر و جوان ملک کی ترقی کا طلب گار تھا ؛

سر بفلک عمارتیں دیکھیں، زمین دوز زیارتیں دیکھیں، دیسی دیکھے، بدیسی دیکھے، باجے دیکھے، گاجے دیکھے، مگر کیا دیکھا؟ وہ مکان دیکھا، جس کے مکین؟ وہ آسمان دیکھا، جس کی زمین، اپنی کہانی سے سننے والوں کے دل ہلا رہی تھی ؛

تقاضائے شوق، اور مدتوں کی آرزو، گلی گلی اور کوچے کوچے لے گیا، مرحوم ذوق کے مکان کا پتہ اور نشان تک نہ تھا، ہر چند دل بیتاب تڑپا مگر اس زمین کی خاک بھی میسر نہ آئی جو کبھی ملک الشعراء کا مسکن تھی البتہ

ایک جنگل تھا ہو کا میدان۔ جہاں ہر طرف سے یہ صدا آ رہی تھی۔

"ہمیشہ رہے نام اللہ کا"

"تاہم وہ گلیاں آنکھ کے روبرو تھیں جن کے مقابلہ میں دکن کا زر و جواہر ہیچ تھا، قدم جن پتھروں پہ پڑ رہے تھے ان کا اس وقت زبان حال سے یہ کہنا ہمیشہ یاد رہے گا،

"کون جائے ذوق پر دلّی کی گلیاں چھوڑ کر"

شہر کی چہل پہل، اور آبادی کی رونق سے فراغت پا کر ان لوگوں کا دھیان آیا جو سرزمین جہان آباد پر علوم کے ایسے فانوس روشن کر گئے جو مدتوں جگمگاتے رہیں گے، خاک دلّی کا ہر ذرہ اُن کے مقدس نام آنکھوں سے لگا رہا تھا اور گو ان کے فانی اجسام نیست و نابود ہو چکے تھے، مگر ان کی زندگیاں سٹ کر بھی آب و تاب سے چمک رہی تھیں ۔

شہر سے باہر نکل کر دیکھا تو ایک سناٹا چھایا ہوا تھا بڑے بڑے تاج دار خاک کی بستی میں پڑے سوتے تھے اور جن کے سینوں نے تنہا کے جواہرات سے خلق اللہ کو مالا مال کیا آج ان پر پتھروں کا ڈھیر تھا ۔

جہاں آباد اُن کھنڈروں پر ناز کر رہا تھا، جن میں لاجواب ہیرے اور موتی دفن تھے، جن کی آب و تاب، آج بھی قمر چہار درہم کو شرمندہ کر رہی تھی ۔۔

رات بھیگ رہی تھی، اور جنگل سنسان تھا مگر اب آنکھ کے سامنے وہ چمنستان تھا جس میں خوش رنگ پھول ہر چہار طرف کھلے ہوئے تھے۔

صرصر اپنے دامن سے ان مٹنے والوں کے مسکن پر جھاڑو دے رہی تھی اور ماہتاب اپنے ہاتھ سے ان کے چراغ روشن کر رہا تھا۔

زندہ دیکھے، مردے دیکھے، قبروں کے ڈھیر دیکھے، قسمت کے پھیر دیکھے، اگر نہیں دیکھا؟

وہ خاک دیکھی جس میں تاج مغلیہ کے گوہر آبدار دبے ہوئے تھے اور وہ مقبرہ دیکھا جس میں ہمایوں جیسا تاجدار موت کا شکار ہوا پڑا تھا۔

شاہانِ مغلیہ کی عظمت و جبروت اور دنیا کی ناپائداری کا نقشہ آنکھ کے سامنے تھا۔ عجیب موثر سماں تھا۔ آنکھیں بند ہوگئیں اور پہلو کی قبر سے یہ صدا سنائی دی۔

تاجِ مغلیہ کی بچی کھچی نشانیاں، ابھی چند بیگمیں دلّی میں موجود ہیں، جن کے ہاتھ کام اور جن کی آنکھیں یاری نہیں دیتیں مگر پیٹ ان سے دن بھر ٹوپیاں سلواتا ہے اور اس طرح یہ بدنصیب شہزادیاں ٹوپیاں اور صدریاں سی کر اپنا پیٹ پالتی ہیں۔

مظلوم کی فریاد

قفس میں مجھ سے رودادِ چمن کہتے نہ ڈر ہمدم
گری تھی جس پہ کل بجلی وہ میرا آشیاں کیوں ہو

مرزا غالب کا یہ شعر مشکل ہو یا آسان مگر ہر لفظ نگینہ ہیں گڑھنے والا اسے اصل معنی کچھ ہی ہوں، مگر ہم تو یہ سمجھتے ہیں کہ ایک بدنصیب بلبل صیاد کے پھندے میں آ پھنسی بہار کا موسم تھا باغ پھولوں سے مہک رہا تھا ہزار ارمان دل میں تھے مگر صیاد کے ظلم نے ساری امنگوں کا خاتمہ کر دیا باغ چھوٹا پھول چھوٹے آشیان چھوٹا وہاں سب کے بدلے قفس کی تیلیاں اور صیاد کا آب و دانہ میسر ہوا بہتیرا سر ٹکرایا بہر چند پھڑ پھڑائی مگر رہائی ہوئی نہ جان نکلی اسی حالت یاس میں دن پورے کر رہی تھی کہ صیاد نے ایک اور بلبل کو پکڑا اور اسی پنجرے میں قید کیا وہ دل جو مر چکا تھا جس کے تمام ارمان جس کی ساری آرزوئیں بے رحم صیاد نے ختم کر دی تھیں ایک ہمجنس کی صورت دیکھ کر پھر تازہ ہوا نئی بلبل سے ایک ایک کی خیر صلاح پوچھی سرو کا درخت کس طرح ہے؟ گلاب کا پودا اچھا ہے؟ میرے آشیان کی کیا خبر ہے؟

بلبل نو گرفتار باغ کا مفصل حال بیان کرتے کرتے اتنا کہہ کر رک گئی کہ کل میری گرفتاری سے کچھ دیر پہلے تیرے آشیان پر بجلی گری اور جلا کر۔

خاک کر دیا حسرت بھرا دل یہ سن کر کہتا ہے کہ پیاری بہن ڈر نہیں صاف صاف کہہ اب وہ آشیاں میرا نہیں ہے میں کہاں اور وہ کہاں نہ اس قید سے چھوٹوں گی نہ آشیان کی صورت دیکھوں گی۔

قفس میں مجھ سے روداد چمن کہتے نہ ڈر ہمدم
گری تھی جس پہ کل بجلی وہ میرا آشیاں کیوں ہو

کم و بیش ایسی ہی حالت آج کل ہمارے ہاں بیویوں کی ہے ایک خطبہ نکاح نے ان سے تیرہ چودہ برس کے عزیز دم بھر میں چھڑوا دیئے اور ایک شخص کے قبضہ میں پہنچا دیا جس کے اوپر زندگی کا تمام دار و مدار ہے۔

ماں باپ غیروں کی طرح الگ ہو گئے سہیلیاں بہنیلیاں بہنیں بھاوجیں سب چھوٹیں اور تقدیر نے ایک ایسے گھر میں لا ڈالا جس کی پہلے صورت بھی نہ دیکھی تھی یہ سب کچھ کیوں؟ اس امید پر کہ سمجھ دار شوہر قدر کریں گے دیکھیں گے اور سمجھیں گے کہ یہ کون ہیں کہاں سے آئیں کیوں آئیں؟ ان کو روٹی نصیب نہ تھی۔ کپڑے کو محتاج تھیں رہنے کو جگہ نہ تھی ماں باپوں کو دو بھر تھیں آخر کوئی تو وجہ تھی کہ جنہوں نے دکھ سہہ سہہ کر پالا پوسا وہ بالکل ہی نادوست ہو گئے یا دم بھر آنکھ سے اوجھل کرنے کے روادار نہ تھے یا بیزار ہو جائیں اور آ کر خبر نہ لیں۔ ایک ایسے شخص کے اوپر سے جواب تک قطعی غیر تھا اپنے تمام حقوق قربان کر دیئے اور جان بیچکر سودا کیا اگر ایسا سودا کرنے والے لوٹا بھگتیں تو ان کے بد نصیب ہونے میں کسے کلام۔

افسوس آتا ہے اُن شوہروں کی حالت دیکھ کر جو بیوی کے معنی ہی
خدمتگزار کے سمجھتے ہیں مانا کہ بعض جگہ بیویوں کی قدر وہ ہو رہی ہے جو
ہونی چاہئیے مگر ان سے بہت زیادہ جگہ وہ مٹی پلید ہو رہی ہے جو نہ ہونی
چاہئیے۔ میاں۔ ساس۔ نند نند کے بچے۔ دیور۔ جیٹھ۔ ان کی اولاد۔ غرض
ان سب کو رضامند رکھنا اس کا فرض کوسنے۔ فضیحتیاں طعن تشنیع اس کا انعام
طلاق کا ڈراوا۔ دوسرے نکاح کی دھمکی اس خدمتوں کا صلہ جن بیچاریوں
نے کبھی خواب میں بھی محنت نہ کی تھی دن بھر پاٹھ بیلیں ایک ایک کا آگا
تاگا ایک ایک کی ملّو پتّو غرض زندگی کیا ہوئی وبال ہو گئی پکاؤ ریندھو
سیو۔ پروؤ۔ جھاڑو بھارو۔ لیپو پوتو۔ غرض گھل گھل کر خاک ہو اور جل جل کر
کوئلہ ہو جاؤ۔ مگر پھر کسی کے بھاویں نہیں۔ آنے جانے والے کچھ پڑیں بائیں
ملنے جلنے والے کیڑے ڈالیں۔ زبان دراز وہ۔ کام چور وہ۔ چل چلی گئی وہ
لے ڈھنگی وہ غرض کوئی عیب ایسا نہیں جو اعمال نامہ میں موجود نہ ہو۔
ناقص العقل اس کا خطاب بیوقوف اس کا لقب۔ مختصر یہ کہ کتّے کی زندگی
اس سے بہتر ہے جس کو موت کی کبھی تمنا نہیں ہوتی یہ بحث کہ جو بیویاں
اپنے فرض ادا نہیں کرتیں کس سلوک کی مستحق ہیں۔ یا بیویوں پر شوہروں
کے کیا حقوق ہیں آیندہ سہی اس وقت تو افسوس اس کا ہے کہ آج نوبت
یہاں تک پہنچی۔ کہ بہت سے اللہ کے بندے بیویوں کے مقابلہ میں انسانیت
ہی کھو بیٹھے۔ ہمارے خیال میں کسی شخص کی آیندہ زندگی برباد کرنے سے
زیادہ نہ کوئی بڑا گناہ ہے نہ ظلم۔ مگر ہم دیکھتے ہیں کہ آئے دن یہ گل کھل رہے

ہیں اور پھر مزہ یہ کہ کرتے ہیں اور سمجھتے ہیں خوب کیا کہیں مذہب کی آڑ کہیں ضرورت کا بہانہ۔ اگر اسلام کے یہ معنی اور انسانیت کی یہ صفت ہے تو اس اسلام اور انسانیت دونوں کو سلام کسی بزرگ کا مقولہ ہے کہ الٰہی بچائیو اسلام کو اُن لوگوں سے جو اس کی ہنسی اُڑائیں۔

تعجب ہے کہ ان کا ایمان ان کو کبھی ملامت نہیں کرتا اور وہ نہیں سوچتے کہ ان کی اپنی تمام ضرورتیں پوری ہوں مزے سے زندگی بسر کریں کسی قسم کا غم پاس آ کر نہ پھٹکے اچھے سے اچھا کھائیں بہتر سے بہتر پہنیں عیش کریں آرام کریں غرض دنیا ان کے واسطے جنت ہو مگر وہ بے گناہ روح جو ان ہی جیسی آدمی ان ہی جیسی ضرورتیں رکھنے والی ہے محض ان کی غفلت خودغرضی اور نفس پروری سے بدترین مخلوق ہو جائے اور ہوتے ہوتے نوبت یہاں تک پہنچے کہ موت کی منتظر اور زندگی جیسی نعمت سے بیزار۔

یہ ہم جانتے ہیں اور ہم کیا دنیا جانتی ہے کہ کیسا ہی ظالم اور کتنا ہی کٹر کیوں نہ ہو، مرد ہو عورت ہو، سنگ دل ہو رحم دل ہو ظلم کی سزا نیکی کا بدلہ دنیا میں نہیں ملتا وہ شخص جو آپ چین کرتا اور مزے اُڑاتا پھرتا ہے اگر اس کی بیوی دکھ بھرے مصیبتیں جھیلے اس کی بلا سے اس کے پاس سوا اس کے ایمان کے کوئی چیز ایسی نہیں کہ اس کے کارنامے اسے سمجھا دے جب وہ ایمان ہی نہ رہا تو ڈر۔ حیا۔ لحاظ انسانیت سب ختم ہو گئے اس کی ضرورتیں پوری ہو رہی ہیں وہ کیوں سوچنے لگا کہ ایک مظلوم وہی جس کو میں نے کہیں نہ رکھا جو سب کچھ مجھ پر سے لٹا بیٹھی جس نے

کی سب سے بڑی نعمت زندگی مجھ پر نثار کر دی جس کو دنیا میں خوش رہنے کا
اتنا ہی حق حاصل ہے جتنا مجھے میری وجہ سے تڑپ تڑپ کر دن اور لیٹ بیٹھ
کر راتیں بسر کر رہی ہے اس کو کیوں خیال آئے کہ یہ دہکتی ہوئی انگیٹھیاں
یہ نرم نرم تکئے اور گرم گرم بچھونے مجھ پر حرام ہیں اس لئے کہ وہ رنج و غم
کی شریک عمر بھر کی ساتھی دکھ درد کی رفیق جس نے نباہ کا وعدہ اور
وفاداری کا اقرار کیا تھا آج جاڑوں کی پہاڑ سی راتیں ٹھنڈے کپڑوں میں
تارے گن گن کر کاٹ رہی ہے ⁘

زندہ ہیں ایسی بہت سی اللہ کی بندیاں جو آنکھوں میں رہیں جو پاؤں
چونچلوں سے پلیں مگر وہ ساری اللہ آمین میکے ہی تک تھی ظالم شوہروں
کے پتھر دل اور سخت ہاتھوں سے کنوار پنے کے ساتھ ہی دنیا کی بہار ختم
کر دی جو نگاہ محبت بھری معلوم ہوتی تھی زہر میں بجھی نکلی جس دم سے
قبر تک ساتھ دینے کی امیدیں تھیں طوطے کی طرح دیدے بدل گیا ⁘

بے شوہر والی رانڈیں وارث رکھتی بے وارثیاں اور بیواؤں سے بدتر
سہاگنیں اپنے دن پورے کر رہی ہیں اور ان کے پھوڑا دل جنہوں نے
اندر ہی اندر رس رس کر ان کو قبر میں جھکا دیں ایک ایک صورت کو حسرت
سے تاک رہے ہیں دنیا ان کے لئے دوزخ ہے اور کوئی اتنا نہیں کہ ان
دکھیاریوں کی مدد کرے گو یہ مصیبت سدا رہنے والی نہیں ایک زبردست
مددگار کی توقع موجود ہے۔ دن اس کے انتظار میں گزر رہے ہیں اور راتیں
اس کی راہ میں بیت رہی ہیں۔ قریب ہے کہ وہ پیارا رفیق۔ موت ان کی

مصیبتوں کو ختم کر دے جس طرح میکے سے وداع ہو کر یہ سسرال آئیں اسی طرح سسرال سے رخصت ہو کر قبر میں پہنچیں گی۔ دنیا ان سے چھوٹ جائے گی۔ مگر یہ ایسی یاد چھوڑ جائیں گی کہ دنیا کے سننے والے ان کے نام کو آنکھوں پر رکھیں گے ÷

(۲)

جو دنیا رنگ برنگ کے جلوے دکھا اور مزے مزے کی باتیں سنا رہی تھی بیوفا نکلی جس عمر پر بڑا بھروسہ اور بڑی تقویت تھی پل مارتے میں ختم ہوئی اور یوم الحساب سر پر آ پہنچا۔ دنیوی حکومتیں چار دن کا دور دورہ تھا آج اس حقیقی بادشاہ کا راج ہے جس کی سلطنت کو کبھی زوال نہیں اور جس کے فیصلہ کا اپیل ہے نہ مرافعہ۔ بڑی بڑی سلطنتوں کے تاجدار سرنگوں کھڑے ہیں اور ہوا کانوں میں یہ صدا پہنچا رہی ہے ÷

یہ ہے وہ دن جس میں بدلہ دینے کا وعدہ تھا ÷

ایک وسیع میدان مردوں عورتوں سے پٹا پڑا ہے فریادیوں کے غول سے دفعتہً عورتوں کا ایک گروہ علیحدہ ہوا اور ایک عورت نے یہ فریاد شروع کی ÷

بادشاہوں کے بادشاہ بے وارثوں کے وارث بدنصیبوں کی فریاد سن اور دکھیاریوں کا فیصلہ کر ہم ہیں وہ کم بخت جن پر دنیا کا عیش حرام اور جینا وبال ہو گیا اسے پیچھے معبود عمر کی کوئی گھڑی اور زندگی کا کوئی دن سکھ سے نہ گزرا۔ الہ العالمین شوہروں نے ہمیں دھوکا دیا۔ اور ہماری

زندگی دوزخ کر دی ان پیاروں سے توڑا جو ہم پر پروانہ تھے ایسے پنجرے میں قید کیا کہ عمر بھر سر ٹکراتے بسر ہوئیں دنیا کی کسی نعمت کا لطف ہمیں اٹھانا نصیب نہ ہوا۔ ہم نے ان شوہروں کی اطاعت میں کمی نہ کی نوکروں سے زیادہ خدمت اور عزیزوں سے بڑھ کر محبت کی مر گئے اور ان کی آن بان میں فرق نہ آنے دیا۔ کٹ جائے زبان اگر ان کی یہ شکایت کی ہو اور چاہیں یہ ہونٹ اگر ان کو بددعا دی ہو۔ راتیں اس آرزو میں صبح اور دن اس امید پر شام کئے کہ ان کو ہماری حالت پر رحم آئے مگر اے آسمان و زمین کے بادشاہ ان کے مشغلوں نے انہیں اتنی فرصت نہ دی کہ یہ ہماری طرف آنکھ اٹھا کر دیکھتے ماں باپ جیسی نعمت عمر جیسی دولت بے فکری جیسی راحت ان کی نذر کی گھر چھوڑا بار چھوڑا۔ برسوں کا رشتہ توڑا پیاروں سے منہ موڑا مگر اس کا پھل یہ ملا کہ سلگ سلگ کر دن کاٹے اور بھلس بھلس کر وقت گزارا۔ یہ ہم کو عمر بھر زندہ رہنے کے دعدوں اور قبر تک ساتھ دینے کے اقراروں پر لائے مگر اے خدا۔ اور یا فقت ور دونوں جہان کے مالک رات کی سیاہی میں کالا بھنورا آسمان ہمارے سر پر ہونا بجلی چمکتی بادل گرجتا چور آتے دیواریں گرتیں دکھ ہوتے بیماری ہوتی اور یہ سنگ دل جو آج تیرے حضور میں حاضر ہیں دیوار بیچ مزے اڑاتے اور ہم سے اتنا نہ پوچھتے کہ کیوں کر گزری اور کیا گزری۔ اے عدل حقیقی کا وعدہ کرنے والے حاکم عمر اس امید پر ختم کی ہے کہ آج تیرے دربار سے داد ملے گی ہم مظلوموں کی حمایت ہے۔ اور وہ لوگ جو ہماری مصیبتوں پر ہنستے آج

انہیں دکھا دے کہ جن کا کوئی نہیں اُن کا تو وہ جس کی تسبیح سمندر میں مچھلیاں ہوا میں پرند جنگل میں درند زمین پر آدمی آسمان پر فرشتے کرتے رہے تو وہ جس کو ہم نے دنیا میں پوجا آج دین میں ہمارے صبر کا اجر دے ازلی اور ابدی تیرا راج آج وہ دن ہے کہ راجا پرجا۔ امیر فقیر ظالم۔ مظلوم بیگناہ معصوم شہ زور کمزور سب تیرے فیصلہ کا مُنہ تک رہے ہیں دلوں کا حال جاننے والے بادشاہ رہ رہ کر ہوک اُٹھتی ہے۔ کن بے دردوں سے پالا پڑا تھا کہ خوشی کی صورت نام کو نہ دیکھی۔ اے بیکسوں کے والی تو گواہ ہے کہ فاقوں سے دن گزرے پیوندوں کی نوبت آئی۔ ایک ایک پیسہ ایک ایک اشرفی ہوگیا بیماری کی راتیں پہاڑ ہو کر کٹیں مگر ان تیرے بندوں کا دل نہ پسیجا ۔

سچے معبود ہمارے دُکھے ہوئے دل تیرے حضور میں فریادی آئے ہیں دکھا دکھا۔ اے سچے معبود دکھا دے کہ مظلوموں کا وارث اور بیکسوں کا والی تو ہے ۔

چاندنی چوک کا جنازہ

اٹھارھویں کی شام کو جب سلطان جی کی سترھویں ختم کے قریب تھی، عافیت سیر سپاٹے سے، اور دکاندار اپنی بکری سے فارغ ہو ہو کر چلنے کی تیاریاں کر رہے تھے۔ مدرسے کی جانب سے اس غضب کی سیاہ گھٹا اٹھی کہ چاروں طرف اندھیر گھپ ہو گیا۔ جو کہیں برس جائے۔ تو چاہا جوں ہی تھا۔ بے وقت کا بادل۔ بے موسم کی گھٹا شان گمان بھی تو نہیں ہر شخص متعجب تھا۔ سیر کے رسیلے، اور شہر کے چھبیلے گن رہے تھے۔ مگر دکانداروں کی ست ہی سست پر جان تھی۔ گھٹا کیا تھی اور چھلاوہ تھی۔ کہ پلوں اور لمحوں بڑھی۔ اور دیکھتے ہی دیکھتے ہر طرف چھا گئی۔ اکا دکا بوندیاں پڑیں۔ مگر چھڑکاؤ بھی نہ ہوا تھا۔ کہ ہوا لے اڑی۔ ہوا کیا خاصی زور کی آندھی تھی۔ آسمان اور زمین سب خاک میں اٹ گئے۔ سائبان اور تنبو، پودے اور چاندنیاں ایسی پہنچیں۔ گھنٹے گرے۔ فانوس لڑھکے۔ ہنڈیاں ٹوٹیں۔ غضب یہ تھا کہ اس پر بھی جھکڑ تھمنے کا نام نہ لیتا تھا۔ لوگ جاتے جاتے رک اور چلتے چلتے تھم گئے۔ خاک تیر کی طرح گھس رہی تھی۔ آنکھوں میں اور منہ میں۔ کان میں اور ناک میں خاک کے سوا کچھ تھا ہی نہیں۔ اب تو بے فکروں کے بھی دم پر بنی۔ ابر کی صورت دیکھتے ہی باغ باغ ہو گئے تھے۔ مگر آندھی نے وہ تھپیڑے آنکھوں میں جھونکے کہ سانس لینا دوبھر ہو گیا۔ خدا خدا کرکے اندھیاؤ کم ہوا

ہوا بھی ہلکی پڑی۔ تو سودے والوں نے اپنے چھپیے۔ دکانداروں نے اپنی دکانیں اور سیلانیوں نے اپنے کپڑوں کی دیکھ بھال شروع کی کہ سترھویں میں کیا کمایا اور کیا کھویا ؛

شام کا وقت تھا۔ اور شمع آفتاب جھلملا رہی تھی۔ مگر سترھویں کا بازار میدان حشر کا نمونہ تھا کہ ہر سمت نفسی نفسی کا عالم تھا۔ کوئی خوش تھا، اور اچھل رہا تھا کہ ابر اور طوفان دونوں سر سے گزر گئے۔ مگر رتی بھر نقصان نہ ہوا۔ کوئی سر پکڑے رو رہا تھا۔ کہ نفع تو گیا خاک میں عمر بھر کو روزگار بندھ گیا۔ کہ مانگے تانگے کے لیمپ اور جھاڑ چکنا چور ہو گئے۔ اس منظر میں سب سے زیادہ تعجب انگیز کیفیت یہ تھی کہ خوش ہونے والے اپنے محفوظ رہنے سے زیادہ دوسروں کے نقصان پر نہال نہال تھے مجمع قریب قریب مسلمان تھا۔ اور افراد شادکامی کا یہ جذبہ کہ وہ بدنصیبوں کی صورت دیکھ دیکھ کر خوش ہو رہے تھے۔ اسلام کے دور رہا ضرد کی پوری تفسیر تھا ؛

۱۰۹

بہت پٹا ہو گیا تھا کہ ایک شخص بالوں کی سرخی بھنس کی باچھوں تک پھیلی ہوئی تھی بسنتی چادر بغل میں دبائے ہنستا ہوا ایک مسلمان حلوائی کی دکان پر آیا۔ اور کہنے لگا "کہو بھئی استاد کلن تم پر کیا بیتی ؟"

کلن۔ ارے بھائی میں تو بن آئی مر اکھٹے لٹ گیا۔ گرہ سے تو تیر جو جانا تھا وہ گیا ہی یہ کیسی پڑی۔ کہ مولا کے دونوں شیشے اور چچا نصیرو کا لیمپ کرچی کرچی ہو گیا ؛

کھٹّو۔ ہاں تو اُستاد اللہ کا شکر ہے۔ نلوہ بیچّے منڈہ تو تم جانتے ہو۔ ڈیڑھ ڈیڑھ
مہینہ سے ہو رہا ہے خلیفہ سے کہا۔ وہ کانوں میں پھاہا دھر صاف ٹالو ٹے ہو گئے
ہم نے سوچا۔ کہ مرتی جاتی دنیا ہے۔ آج مر گئے کل دوسرا دن کیا خبر دوسری
سترھویں آئے نہ آئے۔ یہ تو زندگی کے بیلے ہیں۔ منڈہ منڈہ تو پہلا ہی جائیگا
آکا بودی کو ٹٹولا۔ وہ اس گھر کہاں بیٹھو کو۔ آگ دیا وہ ڈھب پہ نہ چڑھے ۔

قصہ کوتاہ تم سے تو پردہ نہیں ہیں۔ دو چھلے لڈے کے بٹن
بٹھائے بھانجی کا چادرہ لیا۔ اتو کی صدری لی۔ بوتا بیال پڑتے ہی مسلمان ہو
تو یقین کرنا۔ میری تو جان نکل گئی کہ یہ مانگے تانگے کے کپڑے ۔ ۔ ہوئے
مگر وہ تو یوں کہو اللہ نے بڑا فضل کیا۔ کہ آندھی آ گئی ۔

کلّن۔ ابے میری جان پر بن رہی ہے۔ تو اپنا جھکنا ہی لیے بیٹھا یار تو
آندھی نے قیامت کر دی۔ تو کہہ رہا ہے بڑا فضل ہوا ۔

کھٹّو۔ بھائی اپنے سے خوب خدا ہم پر تو اس نے فضل ہی کیا نہیں تو عمر
بھر کی ناموشی تھی چادرہ بھی بھانجی کا نہیں۔ وسکے میاں کا اور اتو کو تم جانتے
ہو۔ داماد کا بھائی ہے ۔

کلّن۔ ابے تو آگے بڑھ۔ میری کیوں جان کھائی۔ ہاں چودہ طبق روشن
ہو گئے منہ دکھانے کو جگہ نہیں۔ تجھے اپنی ٹرٹر سے کام ہے ۔

کھٹّو۔ آہاں تم گھبراتے کیوں ہو۔ ہوا کوئی ہوا تھوڑی ہے۔ تقدیر میں نقصان
لکھا تھا۔ جن چیزوں کو ٹوٹنا تھا۔ وہ یہاں کیا۔ وہاں بھی ٹوٹتیں۔ اور سات
پردوں میں ہوتیں۔ تو ٹوٹتیں ۔

کلن۔ اچھا کہتے سے۔ اب تو آگے بڑھ زیادہ باتیں نہ بنا۔

(۲۰)

رات چاندنی تھی۔ شمع آفتاب گل ہو کر بساط فلک پر قندیل ماہتاب روشن ہوئی۔ ایک بڑھے پھونس بزرگ لکڑی کا سہارا دیئے ہوئے ٹہلتے ٹہلتے ایک دکان کے قریب پہنچے اور کہا۔

"میر صاحب ابھی دکان بڑھائی نہیں ؟"

میر صاحب۔ میرزا جی کیا عرض کروں۔ اس سفید ڈاڑھی کو کالنگ کا ٹیکا لگنا تھا لگ گیا۔ اوسے برس کی عمر ہو لئے آئی نرم گرم سب ہی طرح کے وقت دیکھے مگر آدمی کا احسان کسی کا نہ اٹھایا۔ سارا بازار اور محلہ بھرا پڑا ہے کسی کا شرمندہ نہیں۔ ہاں آج چوکر ہو گئی۔

میرزا جی۔ کیا آج دوکان کا مال لیے آتے تھے ؟

میر صاحب۔ جی نہیں مال تو اپنا ہی تھا۔ میں تو میرزا جی پرائے مال سے ہزاروں کوس دور بھاگتا ہوں۔ مگر ہونی شدنی یہاں نظیر نے شہر دستی لالٹین سامنے کر دی تھی۔ وہ چوری چوری ہو گئی۔

میرزا جی نے جیب میں سے ڈبیا نکال کر میر صاحب کو پان دیا۔ اپنے منہ میں ایک ڈالا اور زردہ دیا آپ کھایا۔ ان کو کھلایا۔ اور کہا میر صاحب جس طرح ہو پیچھے سے پتی بانا بلو۔ اور نئی لالٹین پہنچا دو۔ کیونکہ ضرور ہے کہ نظیر کو پتہ نہ چلے

میر صاحب۔ دیکھئے اللہ مالک ہے۔ ارادہ تو یہی ہے۔

میرزا جی - اب تو دنیا ہی اور ہو گئی۔ شرم لحاظ سب اُڑ گئے۔ وہ بے
حیائی ہے کہ دیکھنے میں آئی نہ سُنتے ہیں ؎

میر صاحب - ایک شرم ہی کو کیا روتے ہو۔ سب چیزیں بدل گئیں
وہ لوگ ہی نہ رہے۔ وہ باتیں ہی نہ رہیں۔ اب تو دیکھ دیکھ کر اوسان اُڑے
جاتے ہیں۔ شہر گیا لٹا۔ وہ باتیں ہی لٹ گئیں ؎

میرزا - ہائے سید کیا بات کہی ہے۔ شہر آبادی جنت تھی۔ اللہ اللہ کیا وقت
تھا۔ اور کیا لوگ تھے۔ آنکھیں ان صورتوں کو ترس گئیں۔ اور دل اُن باتوں
کو ترس گیا۔ ہم بدنصیب تھے۔ کہ روتے کو رہ گئے۔ اور مزہ یہ ہے کہ اُسے
ترقی کہتے ہیں۔ اور تو اور شہر کی حالت دیکھو کیا ہو گئی ؎

میر صاحب - ارے ہے ... میرزا کلیجہ پر سانپ لوٹ گیا شہر آبادی
کا سماں آنکھوں میں پھر رہا ہے۔ کیا چہل پہل تھی جس طرف نظر اُٹھاؤ رونق
ہی رونق تھی۔ شہر دلہن بنا ہوا تھا۔ خدا کی مار ایسی ترقی کو۔ چاندنی چوک میں جس
وقت ہرے بھرے درخت جھومتے تھے۔ جنت کا مزا آتا تھا۔ بیچ میں نہر بہتی
تھی۔ ترکاری والوں کی سریلی تانیں بلبل خوش الحان کا لطف دیتی تھیں
اِدھر اُدھر قسم قسم کے درخت بیچ میں نہر اور پھر کنجڑوں کی صدائیں بھانت
بھانت کا جانور بولتا تھا۔ تڑاتے کی گرمی میں دن بھر پھرتے جاؤ۔ آج درخت
کٹ کٹا کر چوک لنڈورا ہو گیا۔ کوسوں سایہ کا پتہ نہیں۔ اُلو بول رہا ہے
کیسی بنی ٹھنی دلہن رانڈ ہو گئی۔ لوگ کہتے ہیں۔ اُجڑ گئی۔ میں کہتا ہوں
کہ ایسی اُجڑی کہ اب صدیوں پنپنے کی امید نہیں۔ یہی چوک تھا کہ شام

کو کھوے سے کھوا چھلتا تھا۔ آدمی پر آدمی گرتا تھا۔ چوک کی شام روز کا میلہ
تھا جہاں تک نظر دوڑاؤ آدمی ہی آدمی تھا۔ شاہدرہ کا گڑ والا نوگزہ نیچے لیے شور
پڑ رہا ہے خونچے والے لہک رہے ہیں۔ موتیا مہک رہی ہے پلٹن آ رہی ہیں
کیا رنگ تھا کہ کان پڑی آواز نہ سنائی دیتی تھی۔ اب میرزا یہ غضب بھی سنا
کہ کسی کو اتنا حکم نہیں۔ کہ ہمو بچے کی آواز تک تو نکالے۔ وہ ہی چوک ہے اور
وہ ہی دکانیں پھر [illegible] بھی بن گئی ہیں۔ آنے جانے کے رستے بھی الگ ہو گئے
بچاو دھکا [illegible] بھی موجود ہیں۔ ذرا کوئی نیچے اترا۔ اور ہا یوب کی آواز
آئی [illegible] کہتا ہوں۔ چوک میں جا کر کلیجہ پر سانپ سا لوٹ جاتا
ہے [illegible] ہل پھر گئے۔ جب درختوں کی ڈھایا ڈھولی ہو رہی تھی
[illegible] مت [illegible] وہاں جا نکلا مسلمان ہو تو یقین کرنا۔ پھاوڑے کی
ہر چوٹ میرے سینہ پر تھی۔ آنسو نکل آئے۔ خدا کی قدرت کا تماشا دیکھتا رہا
میرزا ان آنکھوں نے بہت دیکھا۔ غدر کی مصیبت قیامت سے کم نہ تھی۔
محل [illegible] کو پھلے وا سے لالوں کو پری وش مہ جمالوں کو فاقوں میں
تڑپتے دیکھا۔ [illegible] کی لاشیں دیکھیں جوان لڑکوں کو قبر میں رکھا مگر یہ
خبر نہ تھی۔ کہ ان آنکھوں سے چاندنی چوک کا جنازہ دیکھنا پڑے گا ؞

ہائے میرزا کیا تھا اور کیا ہو گیا . . . .

میرزا۔ اے سید کلیجہ کو مروڑ دیا۔ شہر آبادی کا تختہ پھولوں سے پٹا تھا۔ ایسا
لٹا کہ کانٹے تک خاک میں مل گئے۔ جدھر جاؤ اللہ ہی اللہ ہے۔ گھوڑوں
اور کتوں کی دموں پر تو سنتے ہی تھے۔ یہ خبر نہ تھی۔ کہ چوک لنڈورا ہو کر [illegible]

میدان بن جائے گا اور دونوں طرف کو لکیوں کی قطاریں رہ جائیں گی جو سڑک
کے درخت دلّی والوں کے ماں باپ تھے۔ بچّے ان کے سائے میں لوٹ
پوٹ کر جوان اور کھیل کود کر انسان ہوئے۔ ہائے احمد والا بڑا ہماری جان تھا۔
ڈالی ڈالی اور پتہ پتہ بچپن کا رفیق اور لڑکپن کا ساتھی جیٹھ بیساکھ کے
دنوں میں اس پہ چڑھ چڑھ کر نہر میں کودتے تھے ہمارا دل دیکھو کہ ہمارے
سامنے بڑا اور نہر دونوں کی اینٹ سے اینٹ بج گئی۔ آج اس کا نام و نشان
تک نہیں۔ ہم تو چاندنی چوک کی فاتحہ پڑھ چکے۔ اب خدا وہاں نہ لے جائے
وہ دن اور راتیں سب ہوا ہو گئیں۔ اب بھی جب خیال آتا ہے۔ دل تڑپ
جاتا ہے۔ میرزا کیا سماں تھا۔ ہائے ہائے کھجور والا بھاتا تو یاد ہوگا۔ بارہ
بجے رات کے جس وقت چوک میں آواز لگاتا تھا:

"شیدی کنور کے باغ کا بھدانہ!"

وہ اس کی بھنبیری آواز اور جھلا جھلا کر لہک لہک کر شیدی کنور کے باغ کا
بھدانہ کہنا دل کے پار ہوتا تھا۔ سچ ہے کہ کھجوروں کا تو فقط بہانہ تھا قیمت تو آواز
کی تھی۔ مرد تو مرد عورتیں اور بچے تک مشتاق رہتے تھے۔ ظالم نے اس غضب
کی آواز پائی تھی کہ اندر بیٹھتی تھی۔ آدھی رات کے سناٹے میں جادو کرتی تھی۔
پورا ہوئی۔ تو کھاری باؤلی اور بتاشوں کی گلی پہنچ گئی۔ پچھواہیں نیل کا کٹرہ
اور بلی ماروں کا محلہ خلقت ہے کہ پروانوں کی طرح گر رہی ہے ادھر رات
کے بارہ بجے ادھر بھاتا نے صدا لگائی۔ ہاں تو مسلا کر کے کوئی ڈیڑھ سو قریب
ہوتا ہوگا۔ جو بھاتا تک ہی ختم ہو جاتا تھا۔ مگر واہ رے اس

نہ ہو مگر اُس کو چوک چاوڑی اور لال کنویں کا چکر کاٹنا سیاہ ہم تو اُس وضع داری پر مرتے ہیں کہنے کو دو کواڑی کا کنجڑا تھا۔ مگر آج رئیسوں میں اس آن کا پتہ نہیں اجا نتا تھا۔ کہ شہر آواز کا عاشق ہے۔ مرنے دم تک وہ وضع نہ چھوڑی۔ پھر دیکھ لو اس کی ارتقی کے ساتھ خلقت اُمنڈ رہی تھی۔ بسیا، ارے میاں ہماری تو وہی مثل اصل ہوگئی۔ کہ اونٹ پلے اونٹ بنیری کون سی کل سیدھی۔ جدھر نظر اُٹھا ؤ رنگ ہی اور ہے کچھ ایسا زمانہ پلٹا ہے۔ کہ ہوا ہی کچھ اور ہوگئی۔ ہم بدنصیب اس دن کو رہ گئے تھے۔ کہ یہ سانگ اپنی آنکھوں سے دیکھیں۔ چوک کیا لٹا۔ شہر کی روح نکل گئی۔ ان درختوں کے نیچے ایسے ایسے بلبل چہکے ہیں۔ کہ اب تک اُن کی صدائیں کانوں میں بھری ہیں۔ بھائی چوک کو نظر کھا گئی۔ لنگڑا عنایت تو تم کو یاد ہوگا۔ کس مزے سے لہکتا تھا کہ بے ضرورت سودا لینے کو جی چاہے جھلیاں ہری ہری ترکاریوں سے بھری پڑی ہیں گرمی میں شام کے وقت اسکی آواز

"دو ہی گھڑی کا نوڑا بھرتا ہی والا ہی لینا مار و ہے۔"

کیسی رسیلی آوازیں تھیں۔ کہ معمولی چیزوں کو چار چاند لگ جاتے تھے۔ چوک تو خیر اُجڑ ہی چکا۔ اب جو ایک دن مٹھائی کے پل پر جا نکلا۔ تو وہی اردو بیگن بک رہے تھے اور ایک گنوار آواز پکار رہا تھا۔

"بینگن لے لو بینگن"

عنایت کی تصویر آنکھوں میں پھر گئی۔ جی میں آیا۔ منہ نوچ لوں بھلا یہ سر زمین بائیس خواجہ کی چوکھٹ اس قابل تھی کہ اس پر ایسے ایسے ستم ٹوٹیں۔

میرزا۔ واہ وا کیا چیز یاد دلائی ہے۔ لنگڑا عنایت سبحان اللہ۔ ارے میاں ایک عنایت ہی پر کیا موقوف ہے۔ جب چوک آباد تھا۔ تو وہ ٹولی کی ٹولی ہی کمال کی تھی۔

"نانی کے نواسے خون کے پیاسے شربت کو"

سیا پہیلیاں ہیں پہیلیاں اب تو ان کے پوچھنے والے بھی مٹ چکے ان آنکھوں نے وہ سماں کبھی دیکھا اور اب یہ بھی سنتے ہیں۔

"فالسے ہیں جی نالسے"

اب پھر چند لمحے تک دونوں پر خاموشی طاری تھی۔ برابر کی جھونپڑی میں ایک بڈھا ساقی جس کی پلکیں تک سفید تھیں حقہ گڑگڑاتا ہوا باہر نکلا سلام علیک کی حقہ میرزا جی کو دے کر ایک ٹھنڈا سانس بھر بیٹھ کر کہنے لگا۔

ہائے چاندنی چوک ....

یہ ستم تو کہیں نہ ہوا ہوگا۔ قصور وار تو شہزادے اور بادشاہ زادے تھے۔ شہر غریب لینے میں نہ دینے میں۔ مگر واہ رے تقدیر ایسا پھاوڑا پڑا۔ کہ اینٹ سے اینٹ بجا دی سب سے پہلے تو فیصل کو لو دلہن کا اصل گہنا تو وہ تھا۔ مگر ایسا دھاکہ پڑا کہ تانبے کا تار تک نہ رہا۔ دو ٹوٹے گرگئے اب بھی کھڑے رو رہے ہیں سو وہ بھی برس چھ مہینے کے مہمان ہیں۔ پھر تو یہ بھی پتہ نہ چلے گا کہ فیصل تھی کہاں۔ میاں سوکھ کر قاق ہوگیا ہوں۔ ہاتھ پیروں میں سکت نہیں۔ بات کرتا ہوں۔ تو سانس پھول جاتا ہے مگر جب سنتا ہوں۔ کہ شہر کے نصیب جاگ گئے۔ غنچہ بنا دیا تو ان سوکھی ہڈیوں میں آگ لگ جاتی

ہے۔ کہنے والے یہی ایرے غیرے دیسی بدیسی ارے بنئے شہر والوں کے
دل سے پوچھو تلملاتے رہ گئے۔ پارک کیا۔ اگر جنت بھی بنا دو تو وہ بات
نصیب نہیں فیصل کا زخم ابھی بھرا نہ تھا کہ چوک کے کچوکوں نے غضب
ڈھا دیا۔ کیا پوچھتے ہو۔ سو برس کی لپیٹ میں ہوں۔ تم دونوں سامنے کے
بچے ہو۔ خدا کی قدرت ہے۔ بگلا ہو گئے۔ میری آنکھیں وہ کچھ دیکھ چکی ہیں
کہ اب کلیجہ منہ کو آ رہا ہے۔ جن درختوں کو دھڑی دھڑی کر کے غارت کیا۔
ان کی قدر ہمارے دل سے پوچھو۔ میاں میرزا برسات کے دنوں میں جو مزہ
چوک کے درخت دے گئے ہیں اس پر ایک نہیں۔ ہزار پارک ہوں تو قربان
اب چاروں طرف سے آواز آتی ہے۔ بھارت ماتا کے سپوت بھارت ماتا کے
لال مگر بھائی ہماری بھارت ماتا کے لال ہمارے چوک کے درخت تھے۔ جن
کے ملنے کی قیامت میں بھی امید نہیں کہتے ہیں۔ کہ پھانسی کے وقت۔ خونی سے
پوچھتے ہیں۔ بتا کیا چاہتا ہے۔ مجھ سے ملک الموت نے پوچھا۔ تو کہوں گا۔ ایک دفعہ
چوک کو پھر اسی شان میں درختوں سے لدا پھندا دکھا کر روح قبض کر لو۔

۱۰۱

رات آدھی کے قریب گزر گئی اور یہ تینوں بڈھے بیٹھے دہلی کا مرثیہ
پڑھ رہے تھے کہ فسانہ چہار درویش کے چوتھے درویش کی طرح ایک بڑھیا ہانپتی
کانپتی آئی۔ اور سید سے کہا۔ روپے کے ....
سید کی عقل زائل تھی سنا بھی نہیں۔ اور بدستور جہاں آباد کے نوحہ میں مصروف
ہو گئے۔ بڑھیا بھی اپنی ضرورت کو بھول گئی۔ اور تینوں کی باتیں سننے لگی جب

ان کی گفتگو میں سکوت ہوا تو بڑے میاں بولے۔ جیسا شہر کا بار ٹرا بگڑا غدار دشمن کا
نہ بگاڑے۔ سٹکا سٹکا کر مارا۔ فصیل توڑی چوک مٹایا۔ ارے میاں لال کا
بناؤ دولہا کے دم سے تھا۔ اس کے جاتے ہی سہاگ اجڑ گیا۔ تم کو تو کیا یاد
ہوگا۔ ستر برس کا ذکر کرتی ہوں۔ باغ دیوار کی نکڑ پر جہاں اب منڈوں کی
دکان ہے۔ خوجم صاحب پیچے باندھتے تھے۔ کہنے کو تو آٹھ پیسے کے پیچے بند
تھے مگر سبحان اللہ خوجم صاحب جب تک جئے۔ دکان کو چمن بنائے رکھا۔
گرمیوں میں شام کو کورے کورے مٹکوں پر سوندھے سوندھے آبخورے
بیلوں والے کنوئیں کا پانی خلقت لوٹ رہی ہے۔ مگر کیا مجال جو پانی کا توڑا
ہوجائے۔ دس مٹکے اور دس سوں لبالب۔ ادھر عصر کی اذان ہوئی ادھر
خوجم صاحب نے اوتار بڑھائے۔ سنہری مسجد میں نماز پڑھی اور آکر بیٹھے۔
اب چھبیلوں کا جگھٹا شروع ہوا۔ خواجہ صاحب کی گنگا جمنی پنکھیاں شربتی
کے مہین انگرکھے ایک من شعر ہیں۔ دوسرے دن داستان تیسرے دن
مرہٹیاں۔ چوتھے دن بانیاں گیارہ بجے تک میلہ لگا رہتا تھا۔ شہر میں نہاؤ۔
درختوں پر چڑھو کس کی مجال ہے کہ الف سے بے تو کہہ لے۔ ایک چوک کیا
سارا شہر اپنا تھا۔ کبیٹی تھی نہ سمیٹی۔ جہاں چاہے بیٹھو۔ جہاں چاہے لیٹو۔
اب تو بنے وہ مثل ہے۔ پرایا گھر تھوک کا ڈر۔ ذرا ٹیڑھا پیر پڑا۔ اور رپٹن از
نے بھبکی دی۔ چوک کی برسات ہائے ہائے بیگم کے باغ میں جو مزے لوٹ لئے
وہ ہم سے پوچھو۔ ذرا چھینٹا پڑا اور چوک کے درختوں نے قطب کا مزہ دیا۔
دھلے دھلائے کھڑے جھوم رہے ہیں اور ہماری جان میں جان آ رہی ہے

یہ لال لال مکان جواب بیچ یا سینچ کہلاتا ہے غنیچہ تھا۔ یہاں جا بیٹھے۔ اور کڑھائیاں چڑھا دیں۔ گرم گرم سموسے اور پوریاں اُتر رہی ہیں۔ ہلکی ہلکی پھوار پڑ رہی ہے چوک والے حافظ جی کے کباب تیار ہیں۔ ادرک اور پیاز کا لچھا۔ سبحان اللہ یہاں سے اُٹھے۔ نہر پر پہنچے۔ نہر سے اُٹھے۔ درختوں کے نیچے اب تو بھائی شہر کی نہر نہ باغ کی درختوں کے کٹنے کی آوازیں تو مارتوں سے کان میں آ رہی تھی مگر خدا کو جان دینی ہے۔ کس بے ایمان کو یقین آتا تھا سدا یہ سمجھا۔ کہ سیلانیوں کی گپ ہے۔ ایسا بھی کیا اندھیر ہے کہ چوک میں کدھے کا ہل پھرے گا۔ ایک دن جو ٹکے کی افیم لینے گئی۔ تو کیا دیکھتی ہوں۔ کہ کلہاڑا کچھ آرہ چل رہا ہے اور اس سرے سے اُس سرے تک درخت گرے پڑے ہیں۔ سناٹا آ گیا۔ کہ یہ کیا مصیبت ٹوٹی۔ آنسو نکل پڑے۔ بھائی یہ شیشم کی ایک ٹہنی لاکھ سوکھ کر کھڑ ڈھنگ ہو گئی مگر اُن درختوں کی نشانی ہے۔ یہ توڑ کر ساتھ لے آئی۔ وہ دن اور آج کا دن جل جائیں۔ یہ پاؤں اگر چوک میں قدم رکھا ہو ہاں یہ ڈنٹھل جان کے ساتھ ہے ؎

بڑھیا ابھی زندہ ہے۔ اور مرجھائی ہوئی ٹہنی گلے کا ہار۔ آیا دہلی کو دیکھ کر خوش ہونے والے اگر اس تنکے کی کچھ وقعت سمجھیں۔ جس میں چوک کی پوری تاریخ دفن اور دہلی والوں کا دماغ مضمر ہے۔ تو کبھی اس کو بھی آ کر دیکھ لیں ؎

دارالغرور

سروالٹر سکوٹ کا یہ خیال کہ تمام کائنات میں دو چیزیں بھی ایسی نہیں پائی جاتیں جو یکساں ہوں اینتھروپومیٹری کی اس تحقیقات سے اور بھی پختہ ہو گیا کہ جس طرح انسان باعتبار شکل و صورت ظاہری مطابق نہیں اسی طرح ساخت اعضا بھی مختلف واقع ہوئی ہے۔ تھمب امپریشن یعنی دو شخصوں کا انگوٹھے کا نشان خواہ وہ شہری ہوں یا دیہقانی۔ جرمنی ہوں یا انگلستانی آپس میں مطابق نہ ہوگا! قس علیٰ ہذا یہ ہی اختلاف طبائع انسان میں موجود ہے! خیال مختلف رائیں مختلف مذہب مختلف یقین مختلف!

دنیا کے دار الحشرۃ اور دار الغرور ہونے پر ہر طبقہ اور قوم کے اہل قلم نے مختلف خیال ظاہر کئے مگر ایک شخص واحد کا خیال استدلال کے واسطے کافی نہیں ہو سکتا۔ امر متنازعہ فیہ کے فیصلۂ قطعی پر دیکھنا یہ ہے کہ جماعت کا مذہب کیا ہے اور سوسائٹی کا رجحان بیشتر کس طرف ہے!!!

امیجینیشن یعنی قوت متخیلہ نے بسا اوقات ایسا بھی کیا ہے کہ ایک ہی شخص ایک ہی صنعت کے معنی کرنے میں متفرق اوقات میں مختلف الخیال ہو گیا مگر یہ صورت شخص متعلق کی غلط فہمی سے زیادہ صنعت کے مختلف التاثیر ہونے پر دلالت کرتی ہے۔ شیکسپئیر جو ایک جگہ انسان اور حیات انسان کے واسطے اچھے لفظ لکھ رہا ہے۔ دوسری جگہ تماشا گاہ عالم کو ایک تھیٹر قرار دے

کراسی انسان کی بابت لکھتا ہے :۔

"سب سے آخر سین بڑھاپے کا ہے جو اس تمام کائنات کا خاتمہ کر دیتا ہے اور یہ وہ وقت ہے جب : الگقہ اور زبان آنکھ اور کان سب وبال جان ہوجاتے ہیں ::"

دیکھنا صرف یہ ہے کہ دارالعشرۃ اور دارالغرور دونوں میں بحیثیت مجموعی اطلاق جائز کس کا ہوسکتا ہے ؟ اس بحث میں مختلف اہل قلم کے خیالات پر نظر ڈالئے !!! ۔

ایک سمندر پار کا رہنے والا دنیا سے اس طرح مخاطب ہو رہا ہے :

"آہ ! اے دنیا تیرا منظر کیسا دلفریب ہے !

تیری خوشیاں بہت ہیں ! اور ہر خوشی نئی ہے :

آہ پیرزال ! تیری کون سی چیز پرانی ہوگئی :

کس قدر تھوڑی تیری خوشیاں ! اور وہ تھوڑی بھی کب تک ::" (کریب!)

اس دنیا نے مجھ کو مار ڈالا :

دن کی روشنی اور سورج سب تکلیف دہ ہیں ۔ (ایڈلین)

شکسپیئر اپنے ایک مشہور ڈرامے مرچنٹ آف وینس میں کہتا ہے

"دنیا ایک سٹیج ہے جہاں ہر شخص اپنا پارٹ کر رہا ہے اور سب سے زیادہ دردانگیز میرا ہے ::"

مرحوم داغ فرماتے ہیں :۔

دنیا بھی اک بہشت ہے اللہ رے کرم — کن نعمتوں کو حکم ملا ہے جواز کا

(حالی)

جو لوگ یہ کہتے ہیں جہنم دنیا
وہ آئیں اور اس بہشت کی سیر کریں

جن لوگوں نے بہشت شداد طلسم نمرود وغیرہ کو آنکھ سے دیکھا فطرتاً انسان متقاضی تھی کہ اُن کی انتہا نظر اور خاتمہ عقل اسی حد پر ہوجاتا! کوئی وجہ نہ تھی کہ بہشت شداد کے دیکھنے والے جنت آسمانی کا یقین کر لیتے! یہ تقاضاء سرشت آسمانی تھا کہ آخر بنی اسرائیل کہہ بیٹھے لَن نُؤمِنَ لَکَ حَتّیٰ نَرَی اللّٰہَ جَہرَۃً (ہم جب تک اللہ کو آنکھ سے نہ دیکھ لیں یقین نہ کریں گے) دائرۂ مذہب سے باہر نکل کر ایک آدمی مافوق الفطرۃ امید و لو ڈھکوسلا بتا کر یہ کہہ دے ؎

ہم کو معلوم ہے جنت کی حقیقت لیکن
دل کے خوش رکھنے کو غالب یہ خیال اچھا ہے

تو فطرت انسانی کے بموجب وہ کس گناہ کا مرتکب ہوا؟ جہاں تک اس کی عقل نے رہبری کی وہ پہنچا۔ جب عقل ہی جواب دے چکی تو اب کیا کہتا اور کیا کرتا؟ وہ مصیبت زدہ جس نے تمام عمر رنج و افلاس میں بسر کی نہ پیٹ بھرنے کو ٹکڑا نہ تن ڈھانکنے کو چیتھڑا۔ جنازے ڈھوتے ڈھوتے کندھے شل ہو گئے اور کفن دیتے دیتے دل مردہ ہو گیا اُس سے یہ کہنا کہ مرنے کے بعد ساتویں آسمان پر تیرا مقام۔ جنت الفردوس میں تیرا قیام غلمان کے پڑوس میں تیرا گھر حوروں کی گود میں تیرا سر! آنکھ بند کرنے کی دیر ہے دوسرے جنم میں ہفت اقلیم کی بادشاہت تیری ہی ہے ادھر

دم نکلا اور اُدھر روح القدس کا ساتھ ہوا! فطرتاً یہ کلمات موجودہ مصائب کے اثر کو کہاں تک زائل کریں گے؟ اور یہ اُمیدیں کس حد تک ان نقصانات کی تلافی ہو سکتی ہیں؟ کیا اُس بدنصیب سے یہ توقع رکھنی کہ دنیا کو جنت سمجھنے میں مرحوم داغ کا ہم خیال ہو درست ہے؟

خواہ قوانین قدرت کا منشا اگر کسی خاص وقت تک اس دنیا کے باقی رکھنے کا تھا تو ضرور تھا کہ طبیعت مخلوق میں تھوڑا بہت مادہ انہماک موجود ہوتا اور دنیا کی قوت مقناطیسی بلا امتیاز ہر متنفس کو اپنی طرف کھینچتی! حیوانی طاقتیں نفسانی خواہشیں جہاں انعام الٰہی ہیں وہاں بقاء نسل و تسلسل کے واسطے بھی اُن کا وجود لازمی تھا! اگر اس مکروہ صورت پیرزال کے چہرے پر دل چسپیوں کا غازہ نہ ہوتا تو کوئی تھوکتا بھی نہیں!!! ایک معقول آدمی کہتا ہے کہ وہ لوگ جو وجود صانع پر دلیل طلب کرتے ہیں اُن کے واسطے صرف یہ ہی صنعت ثبوت صانع ہے کہ جو اُس کو مکروہ صورت کریہ سیرت یقین کر رہا ہے وہ بھی اس کا دلدادہ ہے!

بہتر تو ہے یہی کہ نہ دنیا سے دل لگے ‏ ‏ ‏ پر کیا کریں جو کام نہ بے دل لگی چلے

مولانا جامی علیہ الرحمۃ اسی تعلق کو جزو مذہب قرار دے رہے ہیں۔

پانچویں صدی ہجری کے ایک زبردست فلاسفر سعدی جس نے عباسیہ کی مٹی ہوئی سلطنت کا چراغ اُس وقت روشن دیکھا جب اُس کی شعاعیں تمام یورپ ایشیا اور افریقہ کو منور کئے ہوئے تھیں۔ اور دیکھتے ہی دیکھتے ایک ایسا جھونکا آیا کہ وہ روشن چراغ ٹمٹماتا ہوا ہمیشہ کے واسطے گل ہو گیا

مستعصم باللہ کی تباہی اور نیرنگی دنیا کو ان الفاظ میں بیان کرتا ہے ؎

تکیہ بر دنیا نہ باید کرد دل بروے نہاد
کآسمان گاہے بہ مہر است اے برادر گہ بکین

گر کسانند از پئے مردار دنیا جنگجوئے
اے برادر گر خرد مندی چو سیمرغاں نشین

یہ ہی محقق تباہی بغداد پر دنیا کے معنے یوں کر رہا ہے ؎

وَجَارِیَۃُ الدُّنیا لعوبٌ مَّنۃٌ کُفّھَا
محسنۃ لکنّھا الکلبُ ذوالظفر

حیات و ممات کا فیصلہ اس طرح فرماتے ہیں ؎

آں گل کہ ہنوز نو بدست آمدہ بود
نشگفتہ تمام باد مہرش بربود

بیچارہ بسے امید در خاطر داشت
امید دراز عمر کوتاہ چہ سود

جن بچوں کے ساتھ آیندہ کی تمام امیدیں وابستہ تھیں جن کو دیکھ دیکھ کر ماں باپ نہال ہوتے تھے اُن کا حسرتناک فراق مرحوم ذوق نے اس طرح بیان کیا ہے :-

کھل کے گل کچھ تو بہار اپنی صبا دکھلا گئے

حسرت ان غنچوں پہ ہے جو بن کھلے مرجھا گئے

حیات و دار الحیات کے تعلقات کا شیخ نے کیا خوب نتیجہ نکالا ہے :-

الا اے کہ بر خاک ما بگذری
بہ خاک عزیزاں کہ یاد آوری

کہ گر خاک شد سعدی او را چہ غم
کہ در زندگی خاک بود است ہم

شاید مرزا صاحب کا ذکر ہے کہ عمر بھر کی کمائی ایک بچی تھی جو پل پلا کر جوان ہوئی شادی ٹھہری جہیز تیار ہونا شروع ہوا۔ جہیز میں ماں یہ بھی مدِ نظر رکھتی ہے کہ ہر چیز بیٹی کی مرضی کے موافق ہو۔ تمام چیزیں جو آیندہ زندگی

اور خانہ داری ہیں کام آنے والی ہیں حسب حیثیت فراہم کر دی جائیں ا
چنانچہ ماں ہر تجویز میں کسی نہ کسی ذریعہ سے لڑکی کی رضامندی بھی حاصل
کر لیتی ہے۔ خواہ براہ راست خواہ کسی ہم عمر لڑکی کی وساطت سے
خواہ صرف خموشی سے المختصر بد نصیب باپ کی بچی میکے سے جہیز
لے کر نکلی اور سسرال پہنچی۔ چند روز بعد بیمار ہو کر میکے آئی اور دنوں
میں مر گئی!

دلی میں اکثر جگہ دستور ہے وداع کے وقت باپ بھائی عزیز اقارب
دلہن سے ملنے آتے ہیں اور لڑکی اپنے اُن تمام عزیزوں کو جن میں چھوٹی
سے بڑی ہوئی روتا اور اس گھر کو جس کی ایک ایک دیوار اور کونا اس
کی بو پہچانتا ہے سنسان اور اس ماں کو جو دنوں اور راتوں گود میں لئے
لئے پھری حیران چھوڑ چھاڑ اس زمین پر سے جہاں ڈھائی تین برس کی عمر
میں بنگالے کی بیاہی ہوئی ننھی گم سم پالکی میں سوار ہو جاتی ہے! اسی طرح
جب مردے کو نہلا دھلا کر کفن دے چکتے ہیں تو پس ماندگان اپنے عزیز
کا آخری دیدار دیکھ کر ہمیشہ کے واسطے رخصت کرتے ہیں!!!

جب عورتیں لڑکی کو نہلا کر کفنا چکیں مصیبت زدہ باپ کو بلایا کہ
اس بچی کو دیکھ جاؤ جواب ہونا زبین ہوتی ہے۔

جس لڑکی کو دیکھ دیکھ کر باپ کا چلوؤں خون بڑھتا تھا اس کا دل
کیا کتنا ہوگا یہ دیکھ کر کہ ہمیشہ بھر کی دلہن کفن میں لپٹی پڑی ہے:

مرزا صاحب دیکھ کر فرماتے ہیں:-

اب آیا یاد اسے آرام جان اس نامرادی میں
کفن دینا گئے تھے بھول ہم اسباب شادی میں

شعر کے معنی یوں ہوں گے ابیٹی جہیز میں ہم نے ضرورت کی تمام چیزیں دیں مگر کفن بھول گئے چونکہ یہ بھی کچھ کم ضروری چیز نہ تھی تم اس کی طالب ہوئیں! اچیا مانع تھی سب سے اچھا طریقہ بدنصیب باپ سے کفن وصول کرنے کا تم نے یہ سوچا!!

مصائب و تکالیف کے ساتھ ہی ساتھ فطرت نے قلب انسان میں یہ مادہ بھی رکھا ہے کہ رنج و آلام سے پژمردہ ہو کر راحت و اطمینان بھی محسوس کرے اور اگر ایسا نہ ہوتا تو زندگی وبال ہو جاتی مگر وہ بدنصیب جس کے پاس کوسوں کوئی خوشی کا سامان نہیں وہ کس بھروسے پر زندگی بسر کر رہا ہے؟

جس آفت زدہ کے تین چار جوان بیٹے آنکھوں کے سامنے سے اُٹھ گئے ماں مری باپ مرا ایک بیٹی رہ گئی تھی وہ بھی مری یہاں تک کہ میاں بھی چل بسا دکھڑا کیا اور پیٹ پالا آنکھوں میں پانی اُتر آیا اس سے بھی گئی اس کی عمر کیوں کر گزر رہی ہے؟ اُمیدوں کا ڈھیر اس کے پاس بھی لگا ہوا ہے۔ چار برس کا ایک بچہ گود میں ہے دنیا کی تمام خوشیاں اُس کے ساتھ وابستہ ہیں۔ خدا کی شان مرنے سے چند روز پہلے وہ بھی رخصت ہوا۔ تمام اُمیدیں ختم ہوئیں اب اس کے سامنے اگر کوئی دنیا کو جنت کہے تو منہ نوچ لے گی۔ وہ تو دنیا اور ما فیہا سب کو اپنے ہی جیسا سمجھ رہی ہے۔

متمم ابن نویرہ اپنے بھائی مالک کے مرثیہ میں فرماتے ہیں :-

فقلت له ان الشجا یبعث الشجا   فدعنی فهذا کله قبر مالك

مجھ کو تو قبرستان میں ہر قبر مالک ہی کی قبر دکھائی دے رہی ہے!

خندۂ گل بے نمک فریاد بلبل بے اثر   اس چمن سے گھر کو جا کر کیا کریں گے یاد ہم

حضرت علیؑ اپنی نہایت محبوب و مقدس بی بی سیدۃ النساء کے انتقال پر فرماتے ہیں :-

لکل اجتماع من خلیلین فرقة   وکل الذی دون الفراق قلیل

وان افتقادی فاطماً بعد احمد   دلیل علی ان لا یدوم خلیل

دوسرے شعر کا مطلب یہ ہے کہ رسول خدا کے بعد سیدہ کی موت دلیل ہے اس بات کی کہ ہر وصال کے ساتھ فراق ہے۔ یعنی دوسرا شعر پہلے شعر کے مضمون کا نہایت مدلل ثبوت ہے۔

مومن مرحوم مصائب دنیا کا حیات انسانی کے ساتھ مستقل سلسلہ قرار دے رہے ہیں:-

ڈرتا ہوں آسمان سے بجلی نہ گر پڑے
صیاد کی نگاہ سوئے آسماں نہیں

آتش اس مضمون کو کہ ذرا ہوش سنبھالنے کی دیر تھی چاروں طرف سے مصیبت کا پہاڑ ٹوٹ پڑا یوں ادا کرتے ہیں :-

پنہاں تھا دام سخت قریب آشیان کے
اڑنے نہ پائے تھے کہ گرفتار ہم ہوئے

سعی فلاح و بہبود اور ان اسباب کا فراہم کرنا جو زندگی میں درکار ہیں۔ دوسری بحث ہے کلام اس میں ہے کہ دنیا جنت الفردوس ہے اور سوال یہ ہے کہ دنیا دار العشرۃ ہے یا دار الغرور؟

دنیا کا عالم اسباب ہونا مسلمہ ہے اور ہر وقوع ایک وجہ کا طالب ہے یہ دو چیزیں رنج و خوشی جو زیر بحث ہیں ان کا امکان بھی بلا سبب محال ہے کبھی ایسا نہیں ہوا کہ چھپر پھاڑ کر کسی کے پاس خوشی کا ڈھیر لگ گیا ہو! بنی نوع انسان کے تعلقات باہمی ایسے وابستہ ہیں جیسے اشعار مثنوی یا زنجیر کی کڑیاں۔ دعویٰ یہ ہے کہ کوئی شخص کوئی خوشی بلا کسی دوسرے شخص کو نقصان دینے یا رنجیدہ کئے محسوس نہیں کر سکتا اگرچہ بعض حالتوں میں یہ نقصان ناگوار نہ ہو! ایک وزیر اعظم مہینہ بھر فرائض منصبی ادا کرنے کے بعد تنخواہ کی معقول رقم پاتا ہے اور یہ اُس کی بڑی خوشی کا سبب ہوا۔ لیکن جس کی گرہ سے یہ رقم گئی۔ اس کا نقصان ہوا یا نہیں؟ خزانہ شاہی سے یہ رقم کم ہوئی یا نہ ہوئی؟ یہ ہی کیفیت تمام تعلقات کی ہے۔ بزاز روپیہ لے کر کپڑا دیتا ہے معمار مزدوری لے کر مکان بناتا ہے اور اسی طرح ایک ہم جلیس کا نقصان دوسرے کا فائدہ سمجھا گیا ہے! تجار شب و روز دست بدعا ہیں کہ امساک بارش بنی اسرائیل کا قحط دکھا دے۔ غیر تجار کہہ رہے ہیں خدا کرے من بھر کے گیہوں ہو جائیں! فریقین میں سے ایک خوش اور دوسرا رنجیدہ ضرور رہے گا!

یہ اُن کا حال ہے جن کے ذرائع معاش مختلف ہیں۔ اب ان کو دیکھو جو

حریف یعنی ہم پیشہ ہیں ادو پڑوسے برابر دکانوں میں بیٹھے ہیں ہنس بھی رہے ہیں۔ بول بھی رہے ہیں۔ اتفاق سے ایک شخص ڈورا ڈلوانے آیا اور ایک سے چکانے لگا۔ فطرت انسانی متقاضی ہے کہ دوسرا منتظر ہے کسی طرح اُس کے ہاں سے اُکھڑے اور یہیں جمائیں ؛

اہل صنعت و حرفت سے آگے بڑھ کر تعلیم یافتہ گروہ کو پرکھو۔ صاحب ڈپٹی کمشنر کے دفتر میں پچاس روپیہ کی ایک جگہ خالی ہے سینکڑوں اُمیدوار ہیں اور ہر ایک اپنی کامیابی کا خواستگار ہے ان میں ایک کی کامیابی باقیوں کی کس قدر افسردگی کا باعث ہوگی ابیرسٹر وکیل۔ مختار کسی مقدمہ کا فقط شروع ہونا تھا پہلے اس بات کے خواہاں رہے کہ ایک فریق کی طرف سے ہم بھی پیروی کریں۔ اس کے بعد کامیابی کے۔ اب یہ کامیابی فریق مخالف پر کیا اثر کرے گی !

حکیم ڈاکٹر دید زیادہ تر اس خیال سے تندرست ہیں کہ لوگ بیمار ہوں گے گورکنوں کی زندگی صرف اس پر ہے کہ لوگ مریں گے ؛

کہا جا سکتا ہے کہ بعض صورتوں میں انسان ایسی خوشی بھی محسوس کرتا ہے جس کا رنج و تعلق بظاہر کسی متنفس سے وابستہ نہیں مثلاً بیٹے کی پیدائش مایوس مریض کا جانبر ہونا کامیابی امتحان وغیرہ وغیرہ مگر اس کا جواب کیا ہوگا کہ جہاں تعلقات انسانی بہت سے دوست پیدا کرنے کا ذریعہ ہیں وہاں چند دشمن بھی اس کی بدولت میسر ہو جاتے ہیں۔ اس بات کا یقین شاذ صورتوں میں ہوگا کہ تمام تعلقات میں ایسا شخص کا کوئی بھی بدخواہ نہیں اگر

به ہزار تجسس دو چار اللہ کے بندے ایسے نکل بھی آئے تو ان سے زیادہ
ایسے ملیں گے جن کی تمام عمر بغض للّٰہی میں گزر گئی ذرا کسی کو خوش دیکھا اور
انگاروں پر لوٹ گئے ایک عورت جو لڑکا پیدا ہونے سے نہال نہال ہے
چھٹی کی تیاری دھوم دھام سے کر رہی ہے بہ ظاہر اُس نے کسی ہمجنس
کی خوشی میں سانجھا نہیں لڑایا مگر نند کا دل کیا کہتا ہوگا جس کے ہاں مفلسی
میں اوپر تلے سات بیٹیاں ہوگئیں اجیٹھانی سے پوچھو جس کے ہاں ایک
چھوڑ پانچ چھ لڑکے ہوئے اور سب پل پلا کر آٹھ آٹھ دس دس برس کے
رخصت ہوئے ۔

بسا اوقات یہ دیکھا کہ صرف ایک خوشی کے واسطے آدمی نے سخت
سے سخت مصیبت اُٹھائی مگر وقت آیا تو خوشی بھی رنج سے بدل گئی ۔
ایک شخص جس کی تمام عمر بیٹے کے ارمان میں گزری۔ بیسیوں جتن
سینکڑوں کوششیں ہزاروں روپے دو دو تین تین بیویاں غرض سب ہی
کچھ کیا مگر بچہ کیسا کبھی کچا بھی نصیب نہ ہوا خدا خدا کر کے بڑھاپے میں آ کر
اُمید ہوئی ایک ایک دن گن گن کر وقت پورا ہی کیا وضع حمل ہوا تھوڑی دیر
اِدھر بچہ اور اُدھر زچہ دونوں ختم ہوئے ۔

دنیا کو دار العشرۃ ثابت کرنا تو درکنار دار الغرور نہ ثابت ہونے دینا
بھی بہت مشکل ہے اگر یہ دار ناپائدار بہشت ہے تو اس کو بہتر از اعظم
الفراغ کلی ہوگا جو قطعی میسر نہیں یہاں اس حکیم کے مقولہ کی تصدیق ہوتی ہے
جو کہتا ہے کہ کوئی شخص اپنی حالت دوسرے سے تبدیل نہیں کرنا چاہتا

کیونکہ ہر دوسرے شخص کی حالت میں کوئی نہ کوئی سقم کچھ نہ کچھ عیب تھوڑا بہت نقص ایسا موجود ہے جو اس میں خود نہیں!

یہ صنعت ہے کہ باوجود ان تمام نقائص کے ایسی دلبستگی کے سامان بھی موجود ہیں جو طبیعت کو اکتانے نہیں دیتے اور یہ فطرت ہے کہ ان تکلیفوں پر بھی آدمی اس کا گرویدہ بنا ہوا ہے!

بیکرز آف لٹرا گوڈ میں ایک جگہ سینکا کا خیال اس طرح ظاہر ہوتا ہے:

"جن کو تم خوشحال خیال کرتے ہو اگر تم ان کی بیرونی حالت پر نہیں بلکہ اندرونی حالت پر نظر ڈالو تو وہ کمبخت و ذلیل و خوار ہیں وہ ایسی دیوار کی مانند ہیں جو اوپر سے اچھی طرح آراستہ ہیں"!!

ایک جگہ وہ کہتا ہے ہپوکریٹس نے مریضوں کو شفا دی اور مر گیا چالڈ نے بہتیری پیشین گوئیاں کیں اور مر گیا۔ الگزنڈر پومپی نے ہزاروں کو ہلاک کیا اور مر گئے ایک نُس نے ڈموکریٹس اور دوسرے نے سوکریٹیز کو مار ڈالا اگسٹس اس کی بیوی بیٹی اور تمام اولاد و آبا و اجداد مر گئے اور ٹیپین اس کے اہل دربار .... سب کو موت لے گئی!

اسی سلسلہ میں وہ کہتا ہے جب تک تو زندہ ہے موت تیرے سر پر کھڑی ہے اور یہ تیرے اختیار میں ہے کہ تو نیک بن! بعض جگہ اس کے خیالات بالکل اس کے مطابق ہو گئے ہیں ؎

نہ غم آورد نقد لے نہ شادی داد سامانے
بہ پیش ہمت ما ہر کہ آمد بود مہمانے

امام فخرالدین رازی علیہ الرحمۃ کیا معقول بات کہہ رہے ہیں! فرماتے ہیں: سوادِ چشم و سویداءِ قلب یہ دو چیزیں انعامات الٰہی ہیں! آنکھ کی کیفیت یہ ہے کہ اگر پتلی کے مقابل ایک انگلی کھڑی کر دو تو آنکھ کا کام ختم ہو گیا! دل کے سامنے تمام دنیا کی محبت آ موجود ہو تو دل اپنا کام کس طرح انجام دے گا!

ایک بات اور بھی قابل بیان ہے۔ تکلیف خواہ کتنی ہی کم مقدار کیوں نہ ہو اور رنج خواہ کتنا ہی خفیف کیوں نہ ہو بڑے سے بڑا آرام اور اچھی سے اچھی خوشی اُس کو قطعی زایل نہ کر دے گی لیکن خوشی چاہے کتنی ہی زبردست کیوں نہ ہو چھوٹا سا رنج اس کو کرکرا کر دے گا۔ دردِ سر کی معمولی شکایت چاروں طرف سونے کا ڈھیر لگا دینے سے بھی رفع نہ ہو گی لیکن یہ ہی معمولی شکایت جواہرات کی خوشی کو بھی پھیکا کر دے گی۔ ایک لگن میں پانی بھر کر ماشہ بھر رنگ ڈال دینے سے گو تمام پانی رنگین نہ ہو مگر پانی کا رنگ ضرور تبدیل ہو جائے گا۔ تمام دنیا چھان مارو کوئی فرد بشر ایسا نہ ملے گا جو حوادثات سے مطمئن ہوا عمر گراں بہا کا بیشتر حصہ رنج و آلام میں گزرا اور بہ مشکل تمام چند گھڑیاں ایسی پائیں کہ قلب نے بلا کسی رنج وہ خیال کے خالص خوشی محسوس کی۔ اسی مضمون کو سوکرٹیز نے اس طرح ادا کیا کہ اگر تمام دنیا کی خوشی اور رنج ایک جگہ جمع کئے جائیں اور پھر تمام بنی آدم پر مساوی تقسیم ہوں تو ہر شخص تقسیم شدہ رنج و راحت کو مصیبت اور حالت سابقہ کو نعمت سمجھے گا۔

اب حالت انسانی کو تین حصوں میں تقسیم کرو۔ عسرت غیر عسرت اور عشرت ؛

جس طرح رفتار زمانہ نے بڑے بڑے سورما اور کج رفتار اپنے ڈھرے پر ڈال لئے اسی طرح مصیبت بھی رفتہ رفتہ عادت میں داخل ہو جاتی ہے ؛

رنج کا خوگر ہوا انسان تو مٹ جاتا ہے رنج
مشکلیں اتنی پڑیں مجھ پر کہ آساں ہو گئیں

مصیبت یا عسرت میں استقلال چنداں مشکل نہیں مگر غیر عسرت میں قناعت اور عشرت میں شکر ذرا مشکل کام ہے غزالی کی رائے ہے کہ مصیبت میں صبر مومن کا کام ہے اور غیر مصیبت میں شکر صدیق کا۔!!

کرسچینیٹی ہندوازم اور اسلام صبر کو نہایت اچھی صورت میں آدمی کے سامنے پیش کر رہے ہیں لیکن غزالی علیہ الرحمۃ کے الفاظ شکر کو صبر پر اس وجہ سے ترجیح دے رہے ہیں کہ اہل مذہب جو اپنا بندہ ہونا تسلیم کر رہے ہیں اُن کا یقین یہ ہے کہ انسان سے ہر حال میں شکر کی توقع کی گئی ہے اگر تجربہ یہ کہتا ہے کہ کوئی شخص خواہ صاحب مذہب ہو یا لا مذہب اس تھیوری پر کاربند نہیں !! اب وہ جگہ جہاں کوئی مطمئن نہ ہوا دار العشرۃ ہو سکتی ہے ؟

ایک سرسری نظر اُن دلبستگیوں اور دلچسپیوں پر بھی ڈالنی چاہئے جو دوران زندگی میں نہایت خوشگوار ہیں اور جن پر دار العشرۃ کا تمام دارومدار ہے !!!

خوشیوں میں خوشیاں دو بہت بڑی خوشیاں مال اور اولاد ہیں۔ دولتمند

کو بیٹے اگر سونے کی کان ہیں تو مفلس کو بیٹیاں وبالِ جان. ذوق مرحوم کہتے ہیں۔ ؎

توڑا اگر شاخ کو کثرت نے ثمر کی
دنیا میں گراں باری اولاد غضب ہے

اولاد اور اولاد میں بھی بیٹے بہت بڑی نعمت ہیں لیکن یہی نعمت بعض دفعہ ایسی آفت ہو جاتی ہے کہ چھکے چھوٹ جاتے ہیں۔ سعدی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں۔ ؎

زنان باردار اے مرد ہشیار | اگر وقت ولادت مار زائیند
ازاں بہتر بہ نزدیک خردمند | کہ فرزندان ناہنجار زائیند

رہا تمول جس کا پیش خیمہ غرور و نخوت۔ سنگ دلی و محسن کشی ہیں اس کی ایک ادنیٰ صفت یہ ہے کہ ہمدردی جو شیوۂ انسانیت ہے اسی کی بدولت رخصت ہو جاتی ہے!

الخلق عیال اللہ کی تلقین تقریباً ہر مذہب نے کی مگر دولتمندی وہ پہلی آفت ہے جس کی بدولت یہ اصول ہاتھ سے جاتا رہتا ہے اہل مذہب کے واسطے اس سے بڑی مصیبت اور کیا ہوگی کہ دائرہ مذہب سے باہر نکل آئے! قول میں استقامت مشکل سہی مگر محال نہیں اور اگر محال ہے تو یہ دلیل اس بات کی ہے کہ اُس مذہب کے اصول بالکل لچر ہیں المختصر تمول جو سب سے زیادہ محبوب و مرغوب چیز ہے وہ بھی اتنے بڑے ستم سے آلودہ ہے! ایسے بھی ہوں گے کہ دولتمندی میں احکام مذہب پر قائم رہے مگر

ایسے بہت ہوں گے کہ دولت کی صورت دیکھتے ہی فنا فی العشرۃ ہو گئے!!
ہارون جس وقت وفات سے واپس آ رہا تھا۔ رستہ میں بہلول سے
ملاقات ہوئی ہارون نصیحت کا طالب ہوا بہت بڑی گفتگو کے بعد
بہلول نے کہا:-
ہارون! مال دجال کسوٹی ہیں ذرا ہوشیار رہنا!
تجربہ بتاتا ہے کہ مالدار خواہ تن تنہا خواہ عیال دار مطمئن ہرگز نہیں۔ ع
جن کے رتبے ہیں سوا ان کو سوا مشکل ہے
ایک نعمت مرد کے واسطے عورت اور عورت کے واسطے مرد ہے!
جیسا کہ سعدی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں:-

زن نیک فرمانبر و پارسا
کند مرد درویش را بادشاہ

دوسری جگہ ارشاد ہے:-

زن دوست دلے زبانے
تا جزہ تو نیافت مہربانے

خود شیخ کے بیان نے اس نعمت کو مشروط کر دیا اور یہ اصول کلی نہ
رہا!
اس نعمت کی قدر و منزلت اُن مردوں سے پوچھنی چاہئے جن پر عورتوں
کے ہاتھوں سخت سے سخت مصیبتیں گزر رہی ہیں!
فرقۂ اناث کا اطمینان و آرام اُن کے اس مقولہ سے معلوم ہوتا ہے!

او تی روئے سسکتی روئے رات کی بیاہی روئے

الغرض یہ تمام گلہائے رنگین کانٹوں سے پٹے پڑے ہیں اور کوئی وجہ معلوم نہیں ہوتی کہ صورت ظاہری پر فریفتہ ہو کر خاصیت کو نظر انداز کر دیں۔

اعتراف العام میں کلام نہیں مگر جہاں اس کا انکار محسن کشی ہے۔ وہاں تکلیف کو راحت بتانا بھی بوالہوسی ہے!

جعفر وزیر ہارون کی موت خاندان برمکی کا انقلاب تاریخ بغداد میں دنیا کے معنی یوں کر رہا ہے۔ جعفر کی ماں یعنی وہ عورت جس نے ایک عید کو چار سو خلعت گراں بہا تقسیم کئے دوسری عید کو ثابت کپڑا نہ تھا!

کیسا درد انگیز وقت ہوگا۔ جب پانی پت کی لڑائی کے بعد ابراہیم کی ماں ہمایوں کے روبرو آئی اس کی ظاہری ہیئت بتا رہی تھی کہ اس محلوں کی بیٹھنے والی نے زمین پر بھی مشکل سے پاؤں دھرا ہوگا شہزادے کے سامنے آکر جس وقت کھڑی ہوئی تمام جسم کانپ رہا تھا بالآخر اس نے ہاتھ نکال کر وہ نور ہیرا جو الماس کی ڈبیا میں تھا ہمایوں کو دیا اور کہا:۔

"شہزادے یہ ہمارے پاس امانت تھی۔ اب چونکہ اقبال تیرے ساتھ ہے سلطنت تیری حکومت تیری یہ امانت بھی لے"!

جون کا وہ واقعہ بھی قابل غور ہے جب اس نے بھتیجے کی آنکھیں نکالنے کا ارادہ کیا آرتھر کی گریہ وزاری ہیوبرٹ ڈی برگ کی منت و سماجت۔ سنگ دل جون کی شقاوت اور میلپیک کی مدد سے بھتیجے کو قتل

کرنا عبرت ناک سین ہے اڑیوک اوف گلوسیسٹر کا کمسن شہزادوں کے قتل پر آمادہ ہوتا اور رٹا ئرل کا ڈائیلن اور فورسٹ کو ترغیب دینا ان بے رحموں کا اس کمرے میں داخل ہونا کیسا دردناک سماں ہوگا! تاریخ انگلستان میں لکھا ہے جس وقت یہ سفاک داخل ہوئے دونوں بچے ایک دوسرے کے گلے میں ہاتھ ڈالے رخسار پر رخسار رکھے سوتے تھے ظالموں نے ایک ایک کپڑا اڑھا کر صاف کر دیا ۔

اگر یہ تمام موجودات طبقہ ادنیٰ و اعلیٰ لذائذ انسانی سے متعلق ہیں اور بیش بہا انعام سمجھے جا سکتے ہیں تو اس کا کیا جواب ہوگا کہ بقاء حیات و اجزاء تسلسل سے اس کا کیا تعلق ہے؟ اگر منفا صد قدرت میں شنقرار دنیا بھی شامل ہے تو کوئی عطا نعمت نہ رہی! جب زندگی بنفسہ نعمت نہیں تو بقاء زندگی کے اسباب کس اصول پر نعمت ہوں گے! ہوا نہ ہوتی نہ سہی پانی نہ ہوتا بلا سے آدمی مر جاتے اچھا ہوتا! آنکھیں اگر نعمت ہیں تو حافظ جی کس جرم میں اندھے ہو گئے! اعضاء جسمانی اگر نعمتیں ہیں تو شیکسپیر نے اس نعمت کا اعتراف کیا بُرا کیا ہے کہ یہی اعضاء بڑھاپے میں ڈھال ہو جاتے ہیں؟ ۔

اگر قویٰ نعمت ہیں تو ان کا انحطاط مصیبت!!!

ان تمام واقعات پر غور کرنے کے بعد ایک صحیح الدماغ آدمی دنیا کے معنی یوں کرے گا!

کُنْ فِی الدُّنْیَا کَاَنَّکَ غَرِیْبٌ اَوْ عَابِرُ سَبِیْلٍ!

ایک سر سبز و شاداب باغیچہ ہے خوشنما پھول چاروں طرف کھلے ہوئے ہیں۔ ٹھنڈے اور میٹھے پانی کا چشمہ وسط چمن میں لہریں لے رہا ہے جابجا فوارے چھوٹ رہے ہیں ننھی ننھی بوندیں سبزۂ خوابیدہ کو چھینٹے دے دے کر جگا رہی ہیں سرسبز اور بار آور درختوں کی قطاریں دور تک چلی گئی ہیں۔ صبح کا سہانا سماں پرندان خوش الحان کی چہکار نسیم کی اٹکھیلیاں بلبل کی چہک پھولوں کی مہک پپیہے کی لہک اس خطۂ زمین کو جنت الفردوس بنا رہی ہے! ایک بھولا بھٹکا تھکا ہارا مسافر کسی طرف سے آنکلا دیکھتے ہی آنکھیں کھل گئیں۔ رستے کی کلفت منزل کی پریشانی۔ مسافت کی تکالیف سب بھول گیا۔ مصیبت کا مارا دم لینے کو بیٹھا آنکھ اٹھا کر دیکھتا ہے تو میوہ دار درخت جھوم جھوم کر زمین کو چوم رہے ہیں۔ اٹھا پیٹ بھر کر میوے کھائے۔ ڈٹ کر پانی پیا! بیوی کے لئے مہندی توڑی بچوں کے لئے پھول چنے لہلہاتا ہوا سبزہ آنکھوں میں کھب رہا تھا بے اختیار ہو کر لیٹ گیا! لیٹنا تھا کہ نیند آگئی! آنکھ کھلی تو آفتاب نصف النہار پر تھا رنگا رنگ کے پھول مرجھا چکے تھے۔ چہکار کے بدلے شیروں کی دھاڑ اور سانپوں کی چنگھاڑ کان میں آ رہی تھی! اٹھ کر جھانک کر دیکھا تو صاف و شفاف پانی کے بجائے کیچڑ کے ڈھیر لگے ہوئے! بادِ سموم کی لپٹیں دوزخ کا مزہ دکھا رہی تھیں! گھبرا کر اٹھا مگر گرا سنبھلا اور پھر اٹھا! سہموں کے مارے جان نکلی جا رہی تھی! یہ کہتا ہوا سب طرف لپکا ~

میدان کیلی کا کھٹکا نہ پتے کا کھڑکا! شام کا جھٹ پٹا وقت آدمی نہ آدم زاد سینوں پر سونے والے اندھیرے گھپ میں پڑے ہیں!

اے نشہ موت کے متوالو! اچھے سوئے کہ کروٹ تک لینی قسم ہو گئی! خوش نصیب تھے تم کہ حسرت و ارمان کے خزانے ساتھ لے گئے کنگال آئے اور مالا مال کر گئے!

اے دنیا کا دم بھرنے والو اور جنگل کے رہنے والو! بولو بولو! بولو نہ بولو! دیکھو یہ دنیا نہا دھو کر کیسی نکلی اور اس نے کیا روپ بدلا! تم مٹ گئے اور یہ بڑھیا دہی چوتھی کی دلہن ہے! اُٹھو عدم آباد کے مسافرو اُٹھو اس کا گھونگٹ کھولو اس کو منہ دکھائی دو! دیکھو یہ عروس اپنے ہاتھوں کے گجرے تمہاری قبروں پر چڑھا رہی ہے! اس کی بھینی بھینی خوشبو اس کے ناز و انداز اس کی وضع طرز اس کی چال ڈھال ستم ڈھا رہی ہے اس کی رفتار کلیجہ مسل رہی ہے اور اس کی نگاہیں کلیجے کے پار ہو رہی ہیں! سنو سنو اس کے چھپے کیا غضب کر رہے ہیں! دیکھو دیکھو یہ دبکی دبکائی سمٹی سمٹائی سکڑی سکڑائی کیا پھڑ پھڑ بول رہی ہے۔ بڑے بڑے عابد و زاہد اس کا منہ تک رہے ہیں اور اچھے اچھے محتاط اس کی ایک نظر کے مشتاق کھڑے ہیں اور یہ سب کے دل لبھا رہی ہے!!!

یاران طریقت تمہاری رحلت عبرت کی جگہ تھی مگر اس کی دلربائیوں نے سب کچھ بھلا دیا! تمہاری جدائی سے جی کڑھتا مگر یہ روشن چاند یہ چمکتے ہوئے تارے یہ نسیم صبح یہ کھلے ہوئے پھول یہ دن بہدانت یہ جاڑا

زینہار از دورِ گیتی و انقلابِ روزگار (سعدی)
در خیال کس نہ گشتے کا نچناں گردد چنیں

مگر جدھر جاتا تھا سنگین دیواریں آسمان سے باتیں کر رہی تھیں۔ حرماں نصیب مسافر ایک مصیبت میں پھنسا ہوا تھا! خدا خدا کر کے ایک دروازہ دکھائی دیا شکر کرتا ہوا دوڑا اور یہ پڑھتا ہوا باہر آیا!

مجو درستیِ عہد از جہانِ سست نہاد (حافظ)
کہ ایں عجوزہ عروسِ ہزار داماد ست

بڑے بڑے تاج دار اور فارغ البال اس پیرزال کے ہاتھوں ایسے ذلیل و خوار ہوئے کہ زندہ تو زندہ مردے کی بھی وہ مٹی پلید ہوئی کہ خدا دشمن کی نہ کرے! جن کی زندگی میں سونے اور چاندی کی ریل پیل تھی مرتے وقت چراغ میں تیل بھی میسر نہ ہوا! جن گھروں میں آدھی رات تک چہل پہل رہتی تھی دیکھتے ہی دیکھتے ڈھنڈار ہو گئے! جہاں دن دن بھر اور رات رات بھر میلے سے لگے رہتے تھے آج سناٹا چھایا ہوا ہے! علوم و فنون کے ماہر تحریر کے دھنی تقریر کے ساحر با نصیب و شاد کام سنگ دل و گل اندام موت نے ایک کو نہ چھوڑا! کیسے کیسے کڑیل جوان آنکھوں کے سامنے سے اُٹھ گئے محلوں کے رہنے والے آناً فاناً ہزاروں من مٹی کے نیچے جا پہنچے! گھروں کی گھر والیاں سروں کے وارث کلیجے کے ٹکڑے نور کے پتلے باپ اور مائیاں بیرن اور ماں جائیاں ماں باپوں کی جان کہاں گئے؟ جنگل بیابان معمولی گورستان!! ایک ہی

یہ برسات ربیع و خریف ہر چیز تمہاری حریف نکلی۔ تمہاری جدائی سے کلیجہ بہت تلملایا مگر ترقی روزگار حصول دولت جلب منفعت سب نے مل ملاکر تمہارا فراق طاق میں رکھوا دیا!!!

اے آنکھ کے تارو۔ اے پیاروں کے پیارو اب تو ہم کو تمہارے خاک کے ڈھیر پر آنے کی بھی فرصت نہیں۔ تمہاری محبت آنکھوں دیکھے کی تھی تمہارے منہ موڑنے کی دیر تھی۔ ہم بالکل ہی چھوڑ بیٹھے اور چار روز شوق ملاقات و حسرت دیدار نے تڑپایا مگر اب تو ہم تمہارے خیال کے بھی روادار نہیں!

جنت دنیا کے بسنے والو دیکھو زندوں کی محبت نے مردوں کی یاد دل سے بھلادی! آنکھ بند ہونے کی دیر ہے۔ اسی طرح یہ زندہ کبھی بھول کر بھی تم کو یاد نہ کریں گے!!!

منہ دل بریں گنبد زرنگار
زسعدی ہمیں یک سخن یاد دار

ایک مظلوم بیوی کا خط

اللہ اللہ! ایک وہ زمانہ تھا کہ اُنتیسویں دن ڈھائی سو روپیہ ہاتھ[1] میں آتے تھے ایک یہ وقت ہے کہ آج پانچ مہینے بعد احمد کی ساس پچاس روپیہ لے کر آئیں! عیش و آرام تو تمام ہو ہی چکا ہے خدا کا شکر ہے کہ تمہاری زندگی ہی میں فاقوں کی بھی نوبت پہنچ گئی۔ چار بچے ایک مریم دو بکریاں ایک بیگم[2] آٹھ دم اور دس روپیہ مہینہ فی کس کیا پڑا! اکیلا ساتھ پردیس کی بات شوہر کا خرچ کال کا زمانہ بھیڑ کی لات گھٹنوں تک چوری کروں یا بھیک مانگوں؟ میں بیچاری عورت ذات پیسوں پکاؤں پالوں کماؤں کیا کروں کیا نہ کروں میرے بل پر یہ گھر کب تک چلے گا اور یہ پہاڑ سی عمر کس کے کاٹے کٹے گی! ایسا نصیبہ پھوٹا کہ پان زردہ عطر تیل سب چھوٹا ایک روکھی روٹی رہ گئی تھی اُس کے بھی لالے پڑ گئے! خدا سے ڈرو اور مرنے کو مرنا سمجھو گھوڑوں کو ڈھائی ڈھائی تین تین سیر دانہ دو اور بچوں کو پیٹ بھر کر کھانا نصیب نہ ہو! تمہارے پاس بوریوں کی بوریاں بھری ہوں اور بچے ایک ایک مٹھی چنوں کو ترسیں۔

ممانی جان[3] (اللہ اُن کو جنت نصیب کرے) آج کو زندہ ہوتیں تو تمہاری مجال تھی کہ تم سوکن لاتے اور میری ہی چھاتی پر مونگ دلواتے! ایک

---

[1] چھوکری ۱۲ [2] دادا ۱۲ [3] ساس ۱۲

کا یہ سہاگ کہ روپیہ پیسہ عیش عشرت کپڑا لتا گہنا پاتا سب موجود دوسری کو یہ آگ لگی کہ کس کا چین اور کہاں کا آرام کیسا گہنا اور کس کا کپڑا تین تین وقت کے کڑاکے ایک کے صندوقچہ میں بھری ہوئی عطر کی شیشیاں ہوں اور دوسری کے چراغ میں جلانے کا تیل بھی نہ ہو اغضب خدا کا برس کا برس دن تہوار کا روز اور تحصیلدار کی اولاد ایسی ناشاد و نامراد کہ آدھی کی گھنگنیاں بھی میسر نہ ہوں اچھ برس کی بچی اچھی تقدیر لے کر آئی نہ دھیلے کی مہندی نہ دمڑی کا رنگ نہ ڈھنگ کا چیتھڑا نہ پاؤں میں لتیڑا اگر تو ایسے پلٹے گویا جان پہچان ہی نہ تھی خدا کی شان ہے یا وہ آن بان کہ ناک پر مکھی نہ بیٹھے یا یہ بے غیرتی کہ کان پر جوں بھی نہ چلے ٭

ادھر حمیدہ ماشاءاللہ چار برس میں کہیں پہنچ گئی ادھر سعیدہ برابر سے اٹھتی چلی آ رہی ہے۔ یہ پتھر میرے سر کائے تو سر کتے نہیں جیدری ہر گھڑی آنکھ بند کرنے کی دیر ہے کیسے برس اور مہینے لڑکی کی بیل اور ککڑی کی بیل گھنٹوں میں بڑھتی ہے یہ چار پہاڑ اور میں اکیلی خدا ہی بیڑا پار کرے تو ہو ٭

جیسی میری مٹی پلید ہوئی خدا نہ کرے کہ دشمن کی بھی ہو اجاڑ دن کی پہاڑ سی راتیں آنکھوں میں کٹ جاتی ہیں چین اور آرام تو آگ رہا پلک سے پلک جھپکانی حرام ہے پلنگ پر لیٹی اور جھکڑ بندھے جدھر دیکھتی ہوں اللہ ہی اللہ نظر آتا ہے مٹکے میں آٹا نہیں تنچی میں کپڑا نہیں پاؤں میں جوتی نہیں سر پر دوپٹہ نہیں اخانہ داری کی مصیبت فرض داری کا فکر ہر وقت کی کونت آئے دن کی بیماری مداری کا تقاضا کیبرن کی فضیحتی خدا کی قسم جان اجیرن ہو گئی!

سوت نے مجھے موت کا مزہ چکھا دیا اب تو یہ دعا ہے کہ خدا مجھ کو اٹھا لے تم بیٹھے عیش کرنا نہ میں ہوں گی نہ کھٹکوں گی! بیس بائیس برس دنیا کی بہار دیکھ لی خدا گواہ ہے اب زندگی سے بیزار ہوں!!! تم نے اپنی زندگی سنواری اور میری برباد کی اپنا گھر بنایا اور میرا اُجاڑا! خوش رہو آباد رہو۔

یہ چلے کا جاڑا کہ دانت سے دانت بجیں اور گھر بھر میں کسی کے بدن پر نئی روئی کا کپڑا نہ ہو! جو شخص ماشاءاللہ تین سو روپیہ مہینہ کمائے اُس کے بچے لحاف کو ترسیں ذرا انصاف کرو دونوں لڑکیاں ایک پرانے کمل میں سردی ٹھرکریں کیوں ایسی بیدردی پر کمر باندھی ہے۔ صنوبر[1] کی مائیں تک پیکے کی رضائیاں اور حمیدہ سعیدہ سوں سوں کرتی پھریں! گنہگار ہوں تو میں خطا دار ہوں تو میں بُری ہوں تو میں بدصورت ہوں تو میں بیزار ہو تو مجھ سے ہو بچے کمائی کے حق دار کیوں نہ رہے!!! کیا خدا کی شان ہے حمیدہ[2] بھر بھر لٹیاں دودھ کی لنڈھائے چار چار روپے کے کھلونے لائے اور توڑے اور سعیدہ کو ابالی دال بھی میسر نہ ہو۔

جن ہاتھوں سے سینکڑا دں ہزار دں روپے اُٹھائے آج وہ ہاتھ ایک ایک پیسہ کو محتاج ہیں تمہاری کمائی میں ہمارا اتنا حق نہ رہا کہ لپائی کا پیسہ تو میسر ہوتا! جس بچی کے ذرا سے بخار میں میں نے چار چار بکرے مانے آج وہ دوا لوں کے واسطے صبح سے شام تک آنکھوں کا تیل نکالتی ہے جب ایک بیل پوری ہوتی ہے! مجھ کو کیا معلوم کہ میرے معصوم یہ دن دیکھیں گے

[1] دوسری بیوی [2] صنوبر کا لڑکا۔

اور قسمت یہ مصیبت دکھائے گی بائیس برس پکی پکائی کھا کر آج چار بجے سے چکی کے آگے بیٹھنا پڑتا ہے! ہائے تقدیر! بھرے گھر سے نکل کر فقیر ہو گئی!

جو حالت میری ہوئی الٰہی کسی کی یہ گت نہ ہو فقیروں سے بدتر گھر مردوں کی سی صورتیں دالان میں اوپلے سائبان میں مٹکے بچہ ننگا چارپائی پر جھلنگا چبوترے پہ منوں خاک صحن میں بسیروں راکھ دری نہ رضائی بچھونا نہ چارپائی برتن ہیں وہ لوہا تکیے ہیں وہ چولہا۔ ساری بہار چار پیسہ کی ہے دہی میں ہوں کہ لنگن کی میم کا بیگم بیگم کہتے منہ خشک ہوتا تھا یا آج مڑی سی بھنگن جو جو منہ میں آتا ہے سنا جاتی ہے۔

"ہمیشہ رہے نام اللہ کا"

لاکھ سو رہا ہو اکیلا چنا بھاڑ نہیں پھوڑ سکتا حمیدہ کو دیکھ دیکھ کر روح فنا ہوئی جاتی ہے فاقوں کی ماری مصیبت زدہ دکھیاری دبی دبائی کا وہ ڈیل ڈول نکلا ہے کہ الٰہی توبہ! اس کا گھر بسانا میرا کام ہے؟ ایسی تقدیر پھوٹی کہ دادا دادی نانا نانی چچا چچی ماموں ممانی بڑے اور چھوٹے مرد اور عورت ایک سرے سے سب ہی کو موت آ گئی! مفلس خوشحال مالدار کنگال کوئی بھی نہ رہا ددھیال اور ننھیال دونوں ہی کا صفایا ہو گیا اچھے اور بڑے امیر اور غریب حمیدہ بدنصیب سے پہلے ہی چل بسے! سارے کا سارا خاندان مصیبت زدہ بچی کی آنکھوں کے سامنے ایک ایک کر کے رخصت ہو گیا پچاس آدمی کے کنبہ میں ایک چھوٹی دادی اور ایک خالہ فاطمہ دو دم رہ گئے تھے رجب میں اُن کا بھی خاتمہ ہو گیا!!

گھر کی ایسی خاک اُڑ رہی ہے کہ الٰہی تیری پناہ موئے فقیروں کے گھر میں
بھی ڈھنگ کا بستر ہوگا مگر مجھ کو وہ بھی نصیب نہیں! اس گھر سے تو تحصیلدار
کی بیٹی کو دو آنہ کا بیلدار بھی لے جائے تو اُس کا احسان ہے! آخر حمیدہ کا
نکاح کرنا یا نہ کرنا؟ امیری نہ ہو نہ سہی اگھنا نہ ہو بلا سے عیش نہ ہو خیر! نوکر
بیکار اچھا بُرا خوش مزاج اکھل کھُرا غریب امیر جیسا بھی ہو حمیدہ کی تقدیر
مگر کسی طرح اس کے دو بول ہو جائیں ۔

تمہاری بیوی تم کو مبارک! میں اپنی فقیری میں بھی خوش ہوں۔ تم کو
خدا نے نئی دولت دی نئی بیوی دی مال دیا جائداد دی ماما نوکر چاکر کبھی
گھوڑا تم جتنا اُچھلو سب تھوڑا! فقیرنی بھیک منگی جتنا اترائے سب
ٹھیک سیر کی ہنڈیا میں سوا سیر پڑا اُبل پڑی! سدا کے فاقے ہمیشہ مانگی
بھیک عمر بھر کی مزدوری رات دن کیں صدریاں خیرات پر گزر زکوٰۃ پہ گھر
لتیڑا جوتی چیتھڑا موزہ آگیا تو روزی نہیں تو روزہ پہنتی رہی لیریاں سیتی رہی
ٹاٹ جنم نہ دیکھا بوریا پینے آئی کھاٹ! گھر بھر فقیر! کنبہ بھر محتاج آج بی صنوبر
کو یہ دن لگے ہاتھوں میں کھڑوس کڑے ماتھے پہ جھومر گھر میں مامائیں ڈیوڑھی
پہ نوکر آنکھیں پھٹ گئیں!!! مجھ کو نہ فرصت تھی نہ ضرورت تھی نہ جب تھی نہ
اب ہے نہ کیا نہ کر سکتی ہوں نہ کروں گی کہ گھر میں سینکڑوں مہمان اپنے اور پرائے سے
جان پہچان اور انجان اور بیٹھی گھنٹوں میاں کے پیر دباؤں اُس کو تو دل
میں گھر کرنا تھا ایسی گھسی کہ سب سے تڑا میاں کو کھونٹے سے باندھ لیا۔
مجھے کیا خبر تھی کہ یہ سوکن میرا گھر چھیننے کی فکر کر رہی ہے اور یہ رذال ایک دن

گھر والا ہو جائے گی!!! مجھ کو اللہ رکھے اپنے بچوں ہی سے اتنی فرصت نہ تھی کہ تمہاری خدمت کرتی ہاتھ جوڑ کر آتی تو گھنٹوں پاؤں دباتی! الا نے والی مر گئیں مہینوں آئی ہیں اور دلوں منتیں کی ہیں وہ سوتیں تو رونا ہی کیا تھا اپنا پیٹ کاٹتیں اور بچوں کا پیٹ پالتیں لانے کی لاج تھی کپڑے کا نباہ کرتیں گیہوں نہیں باجرا اور باجرا نہیں بجھیڑ سالن نہیں شوربا اور شوربا نہیں دال تازی باسی اچھی بری صبح کو نہیں شام کو اور شام کو نہیں رات کو چوری کرتیں بھیک مانگتیں اور ان بچوں کے پیٹ میں ڈالتیں ٭

لاکھ خاک میں مل گئی مگر سارا شہر جانتا ہے کہ پانچ ہزار کا جہیز لے کر میکے سے نکلی ہوں تمام بازار کہہ رہا تھا کہ احمد یار کا نصیبہ کھل گیا! تم نے دھڑی دھڑی کر کے سب لٹا دیا! میرے برتن تم نے کوڑیوں کے مول بیچ ڈالے ڈیڑھ من کے لگن دس دس بارہ بارہ روپیہ میں کھو دیئے اور پچھی بیٹھی دیکھا کی! بیکاری میں بیوی رفیق تھی تحصیلداری میں بیوی دشمن ہو گئی! امیر النسا تین ہزار روپے کا زیور سب مول بیاج میں برابر کیا اگر آج کو وہی میرے پاس ہوتا تو خدا کی قسم مر جاتی اور تمہارے آگے ہاتھ نہ پھیلاتی! سات سو روپیہ کے چھالے ڈیڑھ سو میں کالے کی نانی لے گئیں اور میں نے اُف تک کی!!! اماں جان اللہ بخشے کیسی کیسی بگڑیں اور سمجھایا کہ دیکھو مرد کا اعتبار نہیں مگر میں نے سب تم پر سے نثار کر دیا اور یہی کہا اماں جان زیور کسی کی ذات نہیں راجے کا سنگھار ہو سکے گا آتا رجب اللہ دے گا اور بن جائے گا!!! اللہ غنی ہم جان مال سے نثار رہے اس کا بدلہ یہ ملا کہ تم ہم سے ایسے

بیزار ہوئے کہ صورت تک دیکھنے کے روادار نہیں!!

کہاں تک جھینکنا روؤں اور کب تک جھونا جھوؤں خدا گواہ ہے مرجاتی اور خط نہ لکھتی نعیم کے دو خط لاہور سے آئے ہیں بھیجتی ہوں ذرا غور سے پڑھنا!! اللہ اللہ میرا لال میری زندگی میں تم کو وبال ہوگیا اُس نے لکھا ہے چار دفعہ آبا جان کو پچیس روپیہ کے واسطے لکھ چکا ہوں نہ روپے ہیں نہ جواب! اگر تمہارے پاس اُس کی تقدیر کا نہیں ہے تو لکھ دو کہ نام کٹوا لے۔

نعیم کے خط اور حمیدہ کی مجبوری نے اتنا کچھ لکھوا دیا یہ نہ سمجھنا کہ بیوی بھیک مانگ رہی ہے شریفوں کی بیٹیاں فاقے کرتی ہیں اور ماں باپ کی لاج رکھتی ہیں اللہ عزت آبرو سے اُٹھا لے سب کچھ بھر پایا!! اب گھر کیا پھرے گا اور میں بیچاری کس برتنے پر میاں کو اپنا کروں گی وہ دل ہی نہ رہا ایک پھپولا ہے کہ ذرا ٹھیس لگی اور بہ نکلا۔

وہ چمن ہی مٹ گیا جس میں بہار آنے کو تھی

عصمت و حُسن

ہم اس کے ذمہ دار نہیں کہ میاں نصیر خاندان عباسیہ ہی سے تھا مگر اس میں کلام نہیں کہ غالب پور کے سب مفلس نادار فقیر کنگال سب ہی کچھ سہی لیکن آن پر جان دینے والے لوگ تھے! اللہ بخشے میر نصیر فقیر ہو کر اس رعب کا آدمی تھا کہ بڑے بڑے امیر اس کے نام سے تھراتے تھے۔ سچ یہ ہے کہ سادات کا جلال اس کنگال کے چہرہ سے خون کی طرح ٹپکتا تھا! کیا بات کا پکا اور قول کا سچا شخص تھا کنور احمد یار خاں غالب پور کا رئیس مرتے مر گیا مگر سیدوں کی بیٹی لینی نصیب نہ ہوئی جان کے ساتھ یہ ارمان لے گیا کہ ایک سیدانی کی پالکی دروازہ پر اتروالوں لیکن واہ رے میر نصیر گوار کے دونوں گاؤں آبائی تنخواہ ہر چیز گنوائی مگر ایک دفعہ انکار کر کے پھر جیتے جی اقرار نہ کیا! خدا معلوم اُس مرحوم میں کیا کمال تھا بہ ظاہر تو آمدنی کی کوئی سبیل نہ تھی اللہ ہی کفیل تھا مگر آخر وقت تک وہی آن بان رہی! سارا غالب پور گواہ ہے کہ ڈیوڑھی پر نوکر گھر میں ماما دروازے پر گھوڑا بغدادی جو مرتے دم تک نہ چھوٹا! مگر افسوس خاندان کی آن سادات کی شان میر نصیر اپنی جان کے ساتھ لے گیا میر وزیر کو وہ بات نصیب نہ ہوئی۔ باپ کی آنکھ کا بند ہونا تھا کہ لنگر خانہ بند کپڑوں میں پیوند بچے ننگے چارپائیاں جھلنگے نوکر چاکر ڈھور ڈنگر چالیسویں سے پہلے ہی سب کچھ ٹھکانے لگ گیا!!!

جس گھر میں ہر وقت ڈیڑھ دو درجن آدمیوں کا غل غپاڑہ رہتا تھا۔
اب میر وزیر سمیت کل سات دم تھے میاں بیوی سترہ اٹھارہ برس کا لڑکا
گیارہ بارہ برس کی لڑکی دو چھوٹے بچے ایک بڑھیا ماں!

صورت شکل کے اعتبار سے سید انیاں آدمی کا بچہ تھیں مگر عصمت
جو بہو بیٹیوں کا جوہر ہے رگ و پے میں موجود تھی ایک نہیں سیدوں کی
چار بیٹیاں برس کے اندر اندر رانڈ ہوئیں مگر کیا مجال جو عمر بھر نکاح کا
نام لیا ہو چوڑی مہندی گہنا پاتا سب کچھ حرام کیا اور تمام رنڈاپا ساس
سسروں کی آنکھوں میں کاٹ دیا!! اللہ اللہ کیسی نیک کوک کی بیٹیاں
تھیں پیوند زمین ہو گئیں اور دوسرے مرد کو منہ نہ دکھایا چکی پیسی سلائی
کی آنکھوں کا تیل نکالا اور پیٹ پالا میر وزیر کی پھوپھی زاد بہن چوتھی
کی دلہن رانڈ ہوئی تمام غالب پور نے زور لگایا بلکہ خود میر وزیر کی یہ صلاح تھی
کہ نکاح ہو جائے مگر توبہ بہتیرا ہی سر پٹکا لیکن سیدانی راضی ہونیوالی نہ تھی!!!

یہی چیز تھی جس نے رئیسوں کو فقیرنیوں کا گرد بارہ کر دیا۔

میر نصیر کے بعد مطلع بالکل صاف تھا بڑا بوڑھا کہو سر دھرا کہو گھر کا
مرد کہو جو کچھ تھا یے دے کر ایک بیچارہ وزیر تھا دوپہر کے وقت ایک
روز باہر بیٹھا انقلاب زمانہ پر غور کر رہا تھا کہ ایک شخص نے آکر کہا نواب
صاحب کی سواری آرہی ہے آنکھ اٹھا کر دیکھتا ہے تو سچ مچ نواب صاحب
سر پر کھڑے ہیں سٹ پٹا گیا کہ کہاں بٹھاؤں وہ سوچتا ہی رہا اور نواب
صاحب جھٹ پٹ رومال بچھا تخت پر بیٹھ گئے اوہ چار لمحہ بالکل سکوت

رہا میر وزیر اپنی حالت دیکھ دیکھ کر زمین میں گڑا جاتا تھا آخر نواب صاحب ہی نے اُس خموشی کو رفع کیا اور کہا کئی روز سے قدمبوس ہونے کا ارادہ کر رہا تھا آپ کو تو ہماری طرف آنا ہی قسم ہے بڑے میر صاحب اللہ بخشے دوسرے تیسرے مہینے کرم فرمایا کرتے تھے آپ نے مرحوم کے بعد وہ سلسلہ بالکل ہی منقطع کر دیا +

میر وزیر۔ کیا عرض کروں مخمصوں میں پھنسا رہا کہ ایک مرتبہ بھی حاضر نہ ہو سکا! دن بھر یہیں ہوں اور یہ کوٹھڑی ہے امیر صاحب کی بات اُن ہی کے ساتھ تھی جس قدر اُن کے سامنے افکار دنیوی سے بیزار رہتا تھا۔ اُسی قدر اب گرفتار ہوں! یہیں صبح اور یہیں شام غرض اسی میں دن تمام ہو جاتا ہے! میر صاحب کے دم کی برکت تھی کہ یہ گھر گلزار بنا ہوا تھا کوئی دُکھ بیماری کا نام بھی نہیں جانتا تھا کچھ نہیں تو ایک چھ برس تک کا حال تو مجھ کو یاد ہے کیا مجال جو کسی کی آنکھ بھی میلی ہوئی ہو ایک آج کا دن ہے کہ گھر ہسپتال بنا ہوا ہے ابا جان کے انتقال کو ابھی پورا مہینہ ہوا تھا کہ دادی اماں کا حال بگڑا خدا خدا کر کے وہ بچیں تو چچا جان کا وصال ہو گیا رات کا ذکر ہے کہ دودھ پیتا بچہ اقبال ہاتھوں میں آ گیا میاں ادریس کی کیفیت آپ سُن ہی چکے ہوں گے کہ وہ کمر ہی توڑ گئے سچ پوچھئے تو خاندان ہی ختم ہوا ایک یہ پھونسڑا ابھی کس نے دیکھا کیا ہو گیا نہ ہو مرے جئے رہے نہ رہے +

نواب صاحب۔ درست ہے دنیا اسی کا نام ہے! یہ کتنے بڑے شکر کی بات ہے کہ آپ اپنی عزت بنائے بیٹھے ہیں اب رہے واقعات

یہ تو انسان کی جان کے ساتھ ختم ہوں گے ؛

میر وزیر - جی ہاں !!! جناب کی تشریف آوری کا میں بہت ممنون ہوں !!

نواب صاحب - بندہ نواز میں تو اپنی غرض سے کر آیا ہوں میری درخواست قبول فرمائیے تو یہ سب سے بڑا احسان ہے !!

سعید کو آپ نے دیکھا ہوگا ! جی چاہتا ہے کہ اُس کے قرض سے سبکدوش ہوں اور آرزو یہ ہے کہ جناب اُس کو غلامی میں قبول فرماویں ! اس میں کلام نہیں کہ غفور خانیوں کا پیغام زربفت میں گا ڈھے کا پیوند ہے مگر سادات کے در سے خالی ہاتھ نہ جاؤں گا !!!

میر وزیر - ان معاملات کو تو مستورات ہی خوب سمجھتی ہیں !

نواب صاحب - اس کا انتظام میں کر چکا ہوں صرف جناب کے گوش گزار کرنا تھا ؛

نواب صاحب تھوڑی دیر بیٹھ کر رخصت ہوئے میر وزیر نے گھر میں جا کر بیوی سے ذکر کیا وہ نیک بخت تو خدا جانے کب سے بھری بیٹھی تھی سنتے ہی میاں کی جان کو آ گئی ؛

سبحان اللہ ! کہیں نواب صاحب کی عقل تو نہیں جاتی رہی آج اٹھارہ برس بعد پھر پھڑک اُٹھی ! بس معاف کیجئے میں تو صاف کہتی ہوں قبلہ ہو تو نماز نہ پڑھوں میاں ایاز کی بیٹی جو لاکھوں ہزاروں کا جہیز لے کر آئی اُس کا کیا حشر ہوا جل ہی کر مری !

جہاں گھوڑے جڑتے تھے وہاں تو یہ مٹی پلید ہوئی یہاں تو سنتے

سچ مچ ہی نیلے ڈورے ہیں! کسی فقیر کے ہاں جاتے گی سر آنکھوں پہ بٹھائے گا! خدا کی قسم مٹھی بھر چنے ہوں مگر سلوک ہو! جب دل ہی ٹھیک نہیں تو ریاست بھی بھیک سے بدتر ہے!! نا صاحب مجھ کو منظور نہیں میرا دور ہی سے سلام ہے!

میاں ۔ ادریس کو اپنی عقلمندی سے برباد کر کے تباہ کر چکیں اب سلمہ بیچاری کی باری آئی! ایاز کا جھگڑا لے بیٹھیں پہلے اپنی تو خبر لو تم تو بڑی اچھی ساس تھیں کہ بہو آٹھ آٹھ آنسو روتی تھی! سچ یہ ہے اس کا میاں مر گیا تو بلا سے تمہارے ہاتھ سے نجات پائی ؎

بیوی ۔ واہ وا واہ! میں نے تو ایک بات کہی تھی تم ہاتھ دھو کر ہی میرے پیچھے پڑ گئے! تمہاری مرضی ہے تو بسم اللہ کرو! میرے سر کیوں ہو گئے!

میاں کچھ جواب نہ دینے پایا تھا کہ باہر سے آواز آئی سواری اُتر والو! پردے میں تو کچھ ایسی دیر نہ لگی ایک اکیلے میر وزیر کا باہر آجانا تھا مگر عقل کا دشمن جانتا تھا کہ بیگم صاحب آنے والی ہیں چاہئے یہ تھا کہ گھر میں جو خاک کے تودے لگے ہیں پہلے اُن کو ٹھیک ٹھاک کرواتا لاکھ افلاس تھا مگر غالیچہ نہیں دری نہیں چاندنی نہیں چادر اُجلی میلی ثابت پھٹی نئی پرانی کچھ تو دالان میں بچھ جاتا! گھر درست ہو جاتا گھر والی درست ہو جاتی مگر سادات غالب پورنشہ سادات میں چور قیاس کے آدھے خیال کے پورے سمجھ کے بھرپور! عقلمند! بیوی سے صلاح کرنے تو ہو بیٹھا یہ نہ سوچا کہ راکھ کے ڈھیر آسمان سے باتیں کر رہے ہیں! دالان میں چھکڑوں

کوڑا! انگنائی میں ٹوکروں چھلکے! گھر بازار ایک ہو رہا ہے! بچے ہیں وہ چشم بد دور فقیروں کے بھی اچھے ہوں گے میلی سی لنگوٹیاں باندھے پھٹی سی ٹوپیاں اوڑھے بھدی جوتیاں ٹوٹے گنے گنڈے کے چھلکے کھڑے چوس رہے ہیں! بیوی ہیں وہ نورٌ علیٰ نور سر سے پاؤں تک ایک چیز ڈھنگ کی نہیں ہاتھ ہیکڑا نہ پاؤں ہیکڑا ننگے پاؤں سونٹا سے ہاتھوں مہینوں کی ماندی جیسے بڑے گھر کی باندی ہے ❖

کہاروں کے سنتے ہی میاں تو یہ کہتا ہوا باہر آ گیا۔

"نواب تم جاؤ اور بیگم صاحب جانیں جو کچھ کہنا ہے اُن سے کہہ لینا"

بیوی یوں تو بہت بڑھ بڑھ کے بول رہی تھی مگر بیگم صاحب کا نام سنتے ہی ہاتھ پاؤں پھول گئے اسلمہ کے تو اتنے اوسان بھی رہے کہ گھر میں گھس کوٹھڑی کھول نقچی میں سے سفید دوپٹہ چھان پر سے توشک لا دالان میں بچھا دی مگر ماں تو ایسی سٹی پٹی بھولی کہ جہاں کھڑی تھی وہیں جمی کی جمی رہ گئی ❖

بیگم صاحب تھوڑی دیر تک تو راہ دیکھتی رہیں کہ شاید کوئی اُترواتے آئے جب کوئی نہ آیا تو ناکو آگے بھیج اندر آ گئیں! اب تو بیوی بیچاری کے سر ہی پر آ پڑی مسکراتی ہوئی آگے بڑھی اور ہنستی ہوئی گلے ملی غریب پر رحم بھی آتا ہے بیگم صاحب کے پاس کھڑی تھی مگر گھر کو دیکھ دیکھ کر زمین میں گڑی جاتی تھی چبوترہ اور سائبان ڈیوڑھی اور دالان جدھر دیکھتی تھی جھاڑ جھنکاڑ لگ رہا تھا ہونٹوں پر کھسیانی ہنسی تھی اور دل میں پانی

پانی ہو رہی تھی ÷

بیگم صاحب ایک جہاں دیدہ عورت صورت دیکھتے ہی تاڑ گئیں۔ منت سے کہنے لگیں بوی بھیک مانگنے آئی ہوں خالی نہ پھیرنا!

بیٹی کی ماں۔ بھلا بیگم صاحب فقیروں کے گھر میں کیا خاک دھرا ہے فقط اللہ کا نام ہے ÷

بیگم صاحب۔ میرا دل رکھنے کو تو بہت کچھ ہے ہو تو دینا نہ ہو تو نہ دینا

بیٹی کی ماں۔ گھر آپ کے سامنے موجود ہے بسم اللہ کیجئے!

بیگم صاحب۔ بھیک بھی دو بدلا بھی لو! بیٹی دو بیٹا لو!

بیٹی کی ماں۔ آپ کیوں غریبوں کو شرمندہ کرتی ہیں! کہاں کمخواب کہاں ٹاٹ! جنم نہ دیکھا بوریا سپنے آئی کھاٹ! روپیہ نہ پیسہ نہ شکل نہ صورت بیگم صاحب غریبوں کی کھپت تو غریبوں ہی میں ہو سکتی ہے۔ اسے لے ڈھنگی ماں کی پھوہڑ بیٹی! سپنا نہ آئے پکا نا نہ آئے! کس برتے پر آؤ کروں جھونپڑے رہنا محلوں کے خواب! لینا دینا ہنر سلیقہ کچھ بھی تو نہیں!!

بیگم صاحب۔ بوا یہ تو تمہارے کہنے کی باتیں ہیں تم اسی پھوہڑ بے ڈھنگی کالی داغ والی کی ہاں کر لو تو خدا کی قسم باغ باغ ہو جاؤں! تمہاری بیٹی ماشاء اللہ دسوں انگلیاں دسوں چراغ ہیں! کالی ہے تو گوری ہے تو بھلی ہے تو بری ہے تو! ہمارے تو سر کی سرتاج ہے! بہو بیٹیوں کی شکل صورت کا دیکھنا کیا! ماں باپوں کی بیٹی اصل نسل سیدانی ہم تو چوم چاٹ کر سر پر رکھیں! خدا کی قسم نصیبہ جاگ جائے۔ بھلا میرے ایسے بھاگ کہاں

کہ سیدانی کو بیاہ کر لاؤں ایمان سے کہتی ہوں بس یہ ایک ارمان ہے کہ ہو آن کر ہاں جان کے! خدا کے لئے ہاں کر لو تو جان میں جان آئے!

بیٹی کی ماں ۔ ابھی تو میں کچھ نہیں کہہ سکتی اصلاح کر کے جواب بھیج دوں گی۔

جب بچے کے اقرار تک نوبت پہنچ گئی تو بیگم صاحب رخصت ہوئیں چلتے چلتے اتنا اور کہہ گئیں! اگر کل ہاں نہ ہوئی تو پھر سمجھ لو پھر مجھ کو نہیں دیکھ لینا! ہوی میں تو گھر کی مٹی لے ڈالوں گی!!

باپ تو نواب صاحب کی صورت دیکھتے ہی راضی ہو گیا تھا بیگم صاحب نے ماں کو بھی باتوں باتوں میں پرچا لیا! سوچتی تھی اور سچ سوچتی تھی کہ ذات میں نی ہے تو بلا سے بات کیسی اچھی ہے عمر بھر سلمہ عیش کرے گی! لگے لگا یا تا تو کر چاک اللہ کا دیا سب ہی کچھ ہے اب رہا اتفاق وہ اللہ کے ہاتھ ہے!!

کیسا انقلاب ہے وہی خاندان جس میں رئیسوں کا پیغام کوسنا اور دشنام سمجھا جاتا تھا آج اس میں سلمہ کی درخواست ایسا پھولی آنکھ کا دیدہ ہوا کہ گھر بھر گردیدہ ہو گیا! ماں کا یا تو وہ حال تھا یا یہ کیفیت ہوئی کہ مارے خوشی کے باچھیں کھلی جاتی تھیں! باپ نہال نہال تھا! البتہ میر وزیر کی ماں ہانکے پکارے مخالفت کر رہی تھی مگر نقار خانہ میں طوطی کی آواز سنتا کون ہے بڑھیا بیچاری نے لاکھ سر پٹکا خاک نہ چلی ادھر نواب صاحب نے برابر ڈاک بٹھا رکھی تھی میاں بیوی کا راضی ہونا تھا کہ بیگم صاحب کے ہاں عید ہو گئی! کیسے وعدے اور کس کے وعدے جھٹ پٹ تاریخ مقرر ہو ہوا پیر

کی ساچق منگل کی برات بدھ کی دواع ٹھہر گئی!

میر وزیر کا عالی شان مکان جو ہر وقت سنسان پڑا رہتا تھا پیر کی شام کو مہمانوں سے بھرنا شروع ہوا! کہنے کو تو غالب پور میں سیدوں کے چار ہی گھر تھے مگر میر نصیر کے تعلقات سارے گاؤں کے ساتھ تھے بستی کا رہنے والا شیخ۔ سید۔ مغل پٹھان کون ایسا مسلمان تھا جو خاندان سادات کا معتقد نہ ہو شام سے جو عورتوں کی آمد شروع ہوئی تو آدھی رات کو تو تل دھرنے کو جگہ نہ تھی۔

رات کے دس بجے ساچق آئی رحیمہ کی افراط بیٹے کا بیاہ دلوں میں ارمان نام آوری کا دھیان جو کچھ نہ ہوتا تھوڑا تھا! گنگا جمنی تھلیاں ایک جھوڑ چار چار سہاگ پڑے! سونے چاندی کی سرمہ دانیاں! بری کلاد عطر تیل نار نول کی مہندی گجرات کا دھکتا ہوا سونا جال کے جوڑے جڑاؤ زیور! دُلہن والوں کی بھی دیکھ کر آنکھیں کھل گئیں!!!

میر وزیر کی بڑی لڑکی سلمہ جو اس وقت دُلہن بنی بیٹھی تھی صورت کے اعتبار سے ایسی لاجواب نہ ہو مگر سیرت کے لحاظ سے خاندان بھر کی ناک تھی سگھڑ فرمانبردار محنتی بہن بھائی کی خدمت گزار ماں باپ کی تابعدار بارہ تیرہ برس کی لڑکی مگر سارے گھر کا دار و مدار اسی پر تھا باہر کا انتظام اندر کا کام باپ کا کھانا پینا ماں کا لینا دینا بہن بھائیوں کا کپڑا لتہ سب اسی کے سر تھا!

سلمہ جیسی بیٹی کی جدائی میر وزیر جیسے باپ کو کافی نقصان تھا

جس کی تلافی بہت مشکل تھی مگر مسافر کا کوچ اور مقام مہمان کی روانگی اور قیام پردیسی کی صبح اور شام کیا آج نہیں کل اور کل نہیں پرسوں یہ وقت ایک نہ ایک دن آنے ہی والا تھا!

بچو کنتی کا جوڑا مصالحہ سے لپا ہوا بارہ سو روپیہ کے مول کا دوپٹہ منہ سے بول رہا تھا اور کے عدد اکیس پہننے کے جوڑے پچیس الماریوں دیگیں منوں کھانا نادھڑیوں تیل سیروں عطر کھانا دانہ غرض کسی چیز کا ٹوٹا ہی نہ تھا!!

بُدھ کی صبح کو چار بجے سے برات آئی! رات بھر کے تھکے ہارے مہمان کمر سیدھی کرنے لیٹ گئے تھے! درد انگیز وقت تھا کہ چودہ برس کی پلی پلائی بچی ہمیشہ کے واسطے رخصت ہو رہی تھی! لاکھ شادی کا ہنگامہ تھا پچھلے پہر کا وقت! صبح کا سہانا سماں! بیٹی کی وداع گھر کی ایک ایک دیوار کونے پر حسرت برس رہی تھی! سمدھنوں کا اُترنا تھا سلمہ کی ہچکی بندھ گئی! سوچتی تھی کہ میکے کے چودہ پندرہ سال خواب و خیال ہو گئے! گھر چھوٹا گھر والے چھوٹے اب ایک نئی دنیا ہے اور میں ہوں! غیر شخص کو اپنا کرنا کیسی ٹیڑھی کھیر ہے! ساس نندوں کی خدمت! میاں کی اطاعت! آئے گئے کی حکومت! گھر بھر کی دباغت کیا کیا کروں گی اور کس کس کو بھگتوں گی! ایک ایک کی خوشامد بچہ بچہ کی خاطر مدارات ماماؤں تک کی نازبرداری! ساری آفتیں مجھ ہی بیچاری کے سر پر آپڑیں! ہائے اللہ عمر بھر کا دارومدار اسی پر ٹھہرا! ذرا کوئی بیزار ہوا اور سینکڑوں تیر کلیجے

کے پار ہو گئے! ناداری کے طعنے اور پھر امیری کا رخ لئے دولت ریاست عزت حکومت فقیرنی کی عزت کیا خاک ہو گی! وہاں نوکر چاکر ہاتھی گھوڑے روپیہ عیش آرام یہاں فاقہ فقر تنگی ترشی دینا دلانا اللہ کا نام! وہ سردار ہم نادار وہ امیر ہم فقیر یہ بیل کیونکر منڈھے چڑھے گی! اماں کو جوڑا چڑھا عیبا ہو گئی مگر میری مٹی کیسی پلید ہوئی اڑھنگ کے دو جوڑے بھی میکے سے لے کر نہ چلی! خیر یہ تو ہو! سو ہوا مگر یہ گھر مجھ سے کیسا چھوٹا! مہمان کی طرح آئی دو ایک دن رہی اور چلی گئی! یہ بھی کوئی آنے میں آنا ہے کوئی غیر نہ آیا ہیں آ گئی! اماں باپ بہن بھائی گڑیوں کا گھر پلنگ چارپائی! یہ مجھ سے چھٹ گئے یا میں ان سے گئی! جن کو دم بھر اوجھل نہ ہونے دیتی تھی اب برسوں اُن کی صورتوں کو ترسوں گی! ابھی چھوٹی الماری میں کواڑ بھی نہ چڑھے تھے کہ میں گھر ہی اُجاڑ چلی! ناشاد رہی نامراد چلی! میکا برباد سسرال آباد کس کس چیز کو یاد کروں! اور نوا اور میری ولایتی بلی کیسی چھوٹی رات بھر پائنتی پڑی رہتی تھی!

سلمہ کا یہ خیال جیسا تھا اور جو کچھ تھا اچھا ہو یا نہ ہو مگر سچا ضرور تھا برابر کی لڑکیاں ہر چند سمجھا رہی تھیں مگر اس نیک بخت کی آنکھ سے ٹپ ٹپ آنسو گر رہے تھے!!

برات کی دھوم دھام دولھا کا تزک و احتشام امیروں کے چوچلے ریاست کے ڈھکوسلے کوسوں نہیں تو میلوں اور میلوں نہیں تو فرسنگوں برائی ہی برائی دکھائی دیتے تھے! نکاح کا تقاضا تو صبح ہی سے شروع ہو گیا

تھا مگر میر وزیر کی ماں پرانے زمانہ کی عورت پابند وضع قول کی پوری بات کی پکی زبان کی سچی! میر نصیر کی آنکھیں دیکھے ہوئے! ظہیر جلیبا سسرا بنتے ہوئے! وہی "نا" جو اوّل مرتبہ زبان سے نکل چکی تھی آخر وقت تک اُسی پر اَڑی رہی! بیٹے نے بہتیرا سر پٹکا ہونے ہزار ہاتھ جوڑے مگر کیا کیا مجال جو سیدانی کے استقلال میں ذرہ بھر فرق آیا ہو!!!

میر وزیر عجیب مصیبت میں پھنسا ہوا تھا بات کا پاس برات کی شرم باپ دادا کی عزت خاندان کی لاج سید غریب ایک مخمصہ میں گرفتار تھا! نواب صاحب ہیں کہ تقاضے پر تقاضا آدمی پر آدمی بڑی بی ہیں کہ ٹس سے مس نہیں ہوتیں! یہ ہی غنیمت تھا کہ انکار کر رہی تھیں ستم یہ کیا کہ بغل میں لنجے کندھے پر رضائی ایک ہاتھ میں تسبیح دوسرے میں لوٹا دیوار بیچ دوسرے گھر میں جا کوٹھڑی میں گھس اندر سے کنڈی لگا وظیفہ پڑھنے بیٹھ گئیں!! چار بجے کی آئی برات دن کے گیارہ بج گئے میر وزیر بیٹے پریشان نواب صاحب حیران ادھر براتیوں کی انتڑیاں قل ہو اللہ پڑھنے لگیں اُدھر سمدھنوں کے پیٹ میں چوہے دوڑنے لگے سب ہی نے زور لگایا چیخے چلائے کنڈی کھٹکھٹائی کواڑ کھڑکھڑائے مگر اس نیک بخت کے کان پر جوں نہ چلی۔ نکاح تو الگ رہا یہ اور فکر سوار ہوا کہ کچھ کھا کر نہ سو رہی ہوں! چول اتارنے کی صلاح ٹھہری!

مکان کی مالک بیچاری غریب سدّنی یا تو بیٹھی ہنس رہی تھی یا چول کا نام سنتے ہی سٹ پٹا گئی! پاس آ کر کہنے لگی! حضرت جی ابھی تشریف

لائیں بیٹھے بٹھائے میرا ڈیڑھ سو روپیہ کا نقصان کیا! اب تو بڑی بی چکرائیں مجبور اُٹھیں اور لاچار کواڑ کھولے! امیر وزیر نے ماں کی صورت دیکھتے ہی پاؤں پہ ٹوپی رکھ دی اور رو کر کہا!

برات پھر گئی تو تمام دنیا میں ناک کٹ جائے گی کہ سید زادوں نے بیٹی کی آڑ میں جوڑا چڑھا وا رکھ کر تین ہزار آدمی کی برات کو خالی ہاتھ رخصت کر دیا! احمد پور تک کے رئیس اور رئیس زادیاں جن کے گھر دیا پر ہاتھی جھوم رہے ہیں اس وقت مجھ فقیر کی دہلیز پہ کھڑے ہیں! غالب پور کا بچہ بچہ رخصت کا انتظار کر رہا ہے! اگر آپ کی صلاح نہیں ہے تو بسم اللہ! مگر برات کے اُٹھنے سے پہلے وزیر کا جنازہ صحن میں رکھا دیکھ لینا!!

بڑی بی راضی ہونے والی بشر تو تھیں نہیں مگر بات اتنی معقول تھی کہ ہاں کرنی پڑی! قاضی جی موجود ہی تھے جھٹ پٹ نکاح ہو گیا! نواب صاحب تو خیر رئیس تھے جاگیر دار تھے اللہ کا دیا سب کچھ تھا جو کچھ کیا خوب کیا! مگر صد آفرین امیر وزیر کو اس افلاس میں کہ دانت کریدنے کو تنکا تک پاس نہ تھا بیٹی کو اس شان سے رخصت کیا کہ تمام غالب پور واہ واہ کر رہا تھا!!!

دُلہن کے سوار ہونے کا وقت آیا تو بھائی کو بلایا کہ بہن سے آ کر مل لے! ایسا حسرت ناک وقت تھا سلمہ دُلہن بنی چپکی بیٹھی تھی اور گردن نیچے کئے زار قطار آنسو کی لڑیاں بہہ رہی تھیں! برابر کی لڑکیاں چاروں طرف سے گھیرے ہوئے تھیں مگر کوئی ایسی نہ تھی جس کی آنکھ سے آنسو نہ بہہ رہے ہوں

ہوں! ماں کی کیفیت اور بھی بدتر تھی ہر چند ضبط کر رہی تھی مگر دل تھا کہ بھرا چلا آ رہا تھا! بھائی کا آ کر بہن کو گلے لگانا تھا کہ سب کی ہچکی بندھ گئی! ماں کی ممتا نے ایسا جوش کیا کہ بے اختیار ہو کر سلمہ کو کلیجے سے لگا لیا! نواب صاحب برابر تقاضا کر رہے تھے! سیدانیاں روتی دھوتی ہی رہیں اور دولھا نے بسم اللہ کہہ کر دلہن کو گود میں اٹھا پالکی میں لا کر بٹھا دیا!

سعید اللہ آیبن کا بچہ امیری کا دخانہ شباب کا زمانہ دلہن کی صورت دیکھتے ہی لٹو ہو گیا! سونے کی چوڑیاں اور لچھے تو چڑھاوے ہی میں گئے پازیب توڑے چھڑے میاں نے بنوا دیئے، مہینہ ہی بھر میں ٹمہ گوندنی کی طرح سونے میں لد گئی! خدا کی دین ہے پہلے سال لڑکا دوسرے برس لڑکی پانچویں سال تو سلمہ چار بچوں کی ماں تھی! دن بھر کو بھی جو میکے بالی تو میاں پیچھے پیچھے جاتا! بیٹوں کی جگہ بیٹے بیٹیوں کی جگہ بیٹیاں چار چار پانچ پانچ مامائیں! ساس سسرے عاشق زار میاں تابعدار سلمہ نے تو وہ راج کیا کہ آج اچھی اچھی امیرزادیوں کو نصیب نہ ہوگا!

پہلونٹی کا لڑکا ارشد ساڑھے چار برس کا ہوا تو بسم اللہ کی شادی ٹھہری! بستی بھر میں اعلان ہو گیا کہ آٹھ دن تک کیا ہندو اور کیا مسلمان سب ریاست کے مہمان ہیں!!! حسین پور کے باورچی روشن کھیڑہ کے حلوائی نصیر آباد کے نانبائی منڈی کے قوال حسین گنج کے نقال دور دور کے لوگ آنے شروع ہوئے!! ایک طرف کڑھاؤ چڑھے دوسری طرف دیگیں کھڑکیں! شادی کا دن آیا تو رات کو روشنی ہوئی! چراغان! آتشبازی! ارشد

کی بسم اللہ نے توسعیدہ کی برات کو بھی مات کیا! تمام غالب پور جگمگا اٹھا!
غفور خانیوں نے تو رات کا دن کر دیا! سپید واڑے کی بہو بیٹیاں جنہوں
نے آنکھ کھول کر بھی ریاست کے رنگ ڈھنگ نہ دیکھے تھے صدر دالان
میں اتری ہوئی تھیں! چوکھٹ تک ایرانی قالین کا فرش! بیچ میں مسند! مسند
پر گاؤ تکیہ! گاؤ تکیہ کے آگے سلمہ بیگم بنی بیٹھی تھی + چاروں طرف سے
مبارکبادیں مل رہی تھیں! دھوبنیں حلال خوریاں منہاریاں سقنیاں اپنا
جنیاں نقد روپے اور جوڑے لے کر دعائیں دیتی جا رہی تھیں! خدا کی
شان ہے وہی سلمہ جو خلاکت کے ہاتھوں قبر کا مردہ بن چکی تھی آج گھر بیٹھے
تمام غالب پور پر حکومت کر رہی تھی! حاجتمند نور کنار اچھی اچھی امیرزادیاں
اس کا منہ تک رہی تھیں! آدھی کے قریب رات ڈھل چکی ہوگی سعیدہ کی
پھوپھی زاد بہن بھاوج کے پاس ملنے آئیں سلمہ نند کے واسطے پان بنانے
اٹھی! دیکھتی ہے تو بائیں ہاتھ کی چھنگلیاں میں جڑاؤ انگوٹھی ندارد!! انگوٹھی
قسمت میں جس قدر ہو لگر تھی وہ جو ساس نے نشان میں چڑھائی تھی! سارا
دالان چھان مارا کونہ کونہ چپہ چپہ دیکھ ڈالا مگر انگوٹھی نہ ملنی تھی اور نہ ملی! اتر یا
سمجھو ورنہ سلمہ کا مزاج تو ایسا ضدی نہ تھا کہ شادی کو چھوڑ چھاڑ اپنے کمرہ
میں جا اٹھوائی کھٹوائی لے پڑ گئی! ماں نے لاکھ سمجھایا باپ نے بہتیرا کہا
میاں نے ہر چند خوشامد کی مگر اس کے سر پر تو ایسا جن سوار ہوا کہ ایک سے
دو نہ ہوئی! ساس نے کتنا ہی کہا بیٹی تمہارے بچوں کا صدقہ گیا ایک نہیں چار
انگوٹھیاں اس سے بہتر منگوا دوں گی تم میرے بچہ کی شادی میں کھنڈت نہ

ڈالو! گھنٹہ بھر سمجھایا مگر وہ کس کی ماننے والی تھی کمرہ سے باہر نکلنا ختم ہوگیا!
نواب صاحب کو خبر ہوئی دوڑے ہوئے آئے بہو کو دیکھا تو نہ منہ سے بولے
نہ سر سے کھیلے اُسی وقت ایک سانڈنی سوار روانہ کیا اور صبح تک بہو کی
انگوٹھی منگوا کر دی ❊

ارشد سے چھوٹی سب سے بڑی لڑکی سعیدہ ڈھائی پونے تین کی سال
ہوگی مگر لڑکی کیا آفت کی پڑیا تھی! ایسی باتیں مغز سے اُتارتی تھی کہ سننے
والوں کے ہوش اُڑتے تھے۔ ماں باپ دادا نانا سب اُس مینا پر پروانہ
تھے! میر وزیر اس آن کا آدمی کہ بیٹی کے ہاں کا پان کھانا حرام سمجھے دو کوس
سے اُس فتنی کو دیکھنے آتا! آندھی ہو مینہ ہو مگر وزیر کا پھیرا ناغہ نہ ہو ❊

گرمی کے موسم میں ایک دن خاصی اچھی طرح گھر بھر نے صبح کا کھانا کھایا!
سعید کھانے سے فراغت پا کر بچی کو پاس لٹا سو گیا! ایک بجا ہوگا مینا
گھبرا کر اٹھی دست آیا قے ہوئی سب پریشان ہو گئے! شام تک تو بچہ کا
اللہ ہی حافظ تھا! ڈاکٹر حکیم تو بیں تمام غالب اور اُلٹ پڑا مگر اس غضب
کے دست چھوٹے کہ جان لے کر ہی بند ہوئے! مینا کی موت نے سلمہ
اور سعید دونوں کو بٹھا دیا! رات کا واقعہ یہ ہے صبح کو ارشد اسی میں مبتلا ہوا
تیسرے پہر تک ساڑھے چار برس کا پلا پلایا بچہ ہاتھوں میں آ گیا۔ مینا کا وہی
ہی علاج کر ڈالے مگر سلمہ کے کلیجہ پر یہ دو داغ لگنے تھے کچھ بھی نہ ہوا رات
کے بارہ بج رہے تھے ارشد بھی رخصت ہوا!!!

ارشد اور مینا اکٹھے دو بچوں کا چھوٹنا تھا کہ سلمہ کی کمر بالکل ہی ٹوٹ گئی!

سعید کے دل پر ایسا صدمہ بیٹھا کہ دیوانہ وار اِدھر اُدھر پھرتا بسا اوقات بیقرار ہو کر رات کے وقت قبرستان جا نکلتا۔ بچوں کے سرہانے بیٹھ جاتا اور رو رو کر کہتا:۔

"کلیجے کے ٹکڑوں گھر کو سنسان کیا جنگل آ سوئے"

بینا کچھ ایسے غضب کی باتیں ڈھاتی تھی کہ مائیں تک اُس کے واسطے ٹکریں مارتی تھیں۔ سلمہ کے تو جگر کا ٹکڑا تھا کلیجہ پکڑ کر بیٹھ گئی! اس پر ارشد کی موت سمند ناز پر آگ اور تازیانہ تھا جس نے بالکل ہی دیوانہ کر دیا! بیٹھی ہے تو زار زار آنسو! کھڑی ہے تو کھڑی کی کھڑی رہ گئی لیٹی ہے تو بچوں کی تصویر آنکھ کے ساتھ! غرض چار ہی دن میں برسوں کی بیمار ہو گئی!!!

ایک چھوڑ دو دو صدمے! اور صدمے بھی کیسے؟ داغ پر داغ بھی اولاد کے! ناشاد و نامراد سلمہ گھٹ گھٹ کر خود بیمار پڑ گئی! بخار کھانسی! پوٹا فیوماً حالت ردی ہوتی گئی! چند ہی روز میں نوبت یہاں تک پہنچی کہ دن رات پلنگ پر پڑی رہتی! بیوی کی یہ کیفیت دیکھ کر سعید بچوں کا صدمہ بھی بھول گیا! دنیا بھر کے علاج کر ڈالے مگر نہ بخار بند ہوا نہ کھانسی کم ہوئی!!! سلمہ کی بیماری ابھی یکسو نہ ہوئی تھی کہ سعید کو ایک اور مصیبت کا سامنا ہوا! دس دن کے اندر اندر ماں اور باپ دونوں رخصت ہوئے!

سعید مظلوم کی حالت پر رحم آتا ہے خدا یہ مصیبت دشمن پر بھی نہ ڈالے بھرا گھر دیکھتے دیکھتے اُجاڑ ہو گیا! یا وہ حالت تھی کہ آدھی رات تک کان

پڑی آواز نہ سنائی دے یا یہ کیفیت ہوئی کہ دن دہاڑے سناٹا سا چھایا ہوا ہے! اسلم اور انعام گنتی کے دو بچے اتنی بڑی محلسرا میں کیا خاک معلوم ہوتے سب سے بڑی بستی بنا کی تھی چاروں طرف جھل جھل پھرتی اور کونہ کونہ کی خبر لاتی اوپر سے ارشد کی چیخم دھاڑ کہ وہ بار عزیز ہر وقت گھر سر پر اُٹھائے رہتا! پھر نواب صاحب اور بیگم صاحب دونوں کی زندگی ایہ سب کچھ فنا ہو کر ٹکڑوں ٹکڑوں ایک بی سلمہ رہ گئیں وہ بھی کہنے کو زندہ مگر مردہ سے بدتر!!!

بہ ظاہر نہ سلمہ کا مرض ایسا تھا نہ حالت کہ وہ جانبر ہو سکے اور گو اُس کی موت ماں باپ دادی نانی سب کے واسطے آفت ناگہانی تھی مگر سچ یہ ہے کہ وہ مر کر ایک بہت بڑی مصیبت سے چھوٹ جاتی لیکن تقدیر کا لکھا بھگتنا تھا چار دن کو پڑ جاتی پھر اُٹھ بیٹھتی مہینہ بیس روز خاصی رہی دو ڈھائی مہینہ کو پھر گئی گزری ہوئی!!!

رنج ہو یا صدمہ آفت ہو خواہ مصیبت رفتہ رفتہ طبیعت خود ہی مناسبت پیدا کر لیتی ہے! کب تک ؟ اور کہاں تک ؟ نتیجہ یہ ہو کہ میاں سعید کو مرے ہوئے بچوں کے ذکر سے وحشت ہونے لگی! دل کا درست ہونا تھا کہ آنکھیں کچھ اور ہی ڈھونڈنے لگیں! اسلم ہیں نازو ناز اب اللہ کا نام رہ گیا تھا سعید چاہتا تھا بیوی ہر وقت چوتھی کی دُلہن بنی رہیں بیوی کی یہ حالت کہ مائیں بھی اچھی ہوں گی! مہینہ بھر کا سر گندھا ہوا ہے تو بلا سے پندرہ دن کے کپڑے ہو گئے تو خبر نہیں۔ ہاتھ ہیں وہ سفید ہونٹ ہیں وہ

خشک کان ہیں وہ ننگے دو چار دفعہ سعید نے کہا بھی مگر اُس نیک بخت کا
دل کچھ ایسا مر گیا تھا کہ کس کی کنگھی چوٹی اور کیسا سرمہ کاجل دو دو وقت روٹی
نہ کھاتی! مرے کو مارے شاہ مدار شعبان کا مہینہ ایسا بھاگوان آیا کہ میر وزیر
بھی چل بسے!

پے در پے صدمات متواتر تکالیف و آفات نے سلمہ کی صورت بگاڑ
دی کچھ ایسی دنیا سے بیزار ہوئی کہ کوئی خواہش بھی دل میں باقی نہ رہی!

اُدھر میاں سعید ریاست کا مالک ہونا تھا! بالکل ہی کھل کھیلے!
دیوانخانہ میں پلنگ بچھنے لگا باہر کھانا کھانے لگے! باپ کی زندگی میں
چوری چھپے ناچ رنگ میں گھڑی کو شریک ہو جاتا تو ہو جاتا اب کھلے
خزانے اور ہانکے پکارے جلسے ہونے لگے! آٹھ آٹھ دن گھر میں جانا
ختم ہو گیا! اسلم کبھی کھیلتا کھلاتا باہر آجاتا اور شفقت پدری بھی جوش
کرتی تو گود میں لے بیٹھا رہا الغرض وہ تو گویا اُس کا بچہ ہی نہ تھا! حسن پرستی
کی ہوا ایسی لگی کہ گھر تک بھول گیا کتنے بڑے رنج کی بات ہے سگی
ساس مرتے مر گئی اور کم بخت کو کھڑے کھڑے بھی جانا نصیب نہ ہوا!

اُمّی میراسی سلمہ کا گھر خاک میں ملانے کو خدا معلوم کب سے تاک میں
تھا! بھتیجی کو ساتھ لے سعد آباد سے چلا اور غالب پور پہنچا! اصلی نام جو کچھ
ہو مشہور تو نزاکت ہی ہوا! عورت تھی تو ادھیڑ مگر بنا ؤ سنگار ناز و انداز
چٹک مٹک اگاڈں کا معاملہ! غالب پور بھر میں نزاکت کا سکّہ بیٹھ گیا!
میاں سعید کے دربار میں بھی طلبی ہوئی!

امّی تو اس شکار کے انتظار ہی میں تھا چوبدار کا آنا تھا کہ باچھیں کھل گئیں مگر خرانٹ زمانہ کا چھٹا ہوا مکّار جھٹ پٹ قلم دوات لا کاغذ نکال لکھنے بیٹھ گیا! اور یہ پرچہ لکھ کر حوالہ کیا!

حضور والا - میں غریب! بدبخت بدنصیب ذات کا سید گھر کا رئیس برادری میں سردار دو گاؤں کا نمبردار غالب پور میں یہ سمجھ کر آیا کہ دیس چوری پردیس بھیک! یہاں والوں نے اچھی مہمان نوازی کی! میراسی کنچن نائی قصائی جو جو دل میں آیا بنا دیا! سادات کی عزت غالب پور کی خاک میں ملنی تھی مل گئی! آپ کی قدر دانی کا احسان ہے فقیر کے مکان پر تشریف لائیے اور ممنون کیجئے +

رقعہ کا پہنچنا تھا کہ سعید سیدانی کے دیوانے ہو گئے! بیوی سے کچھ ایسی نفرت ہو گئی تھی کہ کم بخت اُس کی صورت سے کوسوں بھاگتا تھا! اُمّی کا پرچہ دیکھتے ہی سوکھے دھانوں میں پانی پڑ گیا! اتنا بڑا رئیس چالیس بیالیس گاؤں کا تعلقہ دار! عزت آبرو طاق میں رکھ شام ہوتے ہی جا داخل ہوا!!

اُمّی اور نزاکت دونوں کی آنکھیں چار گھڑی دن ہی سے دروازہ کو لگی ہوئی تھیں! سعید کو آتا دیکھ! نزاکت چھم چھم کرتی ہوئی کوٹھڑی میں جا گھسی! اُمّی سروقد تعظیم کو کھڑا ہو دالان میں لایا اور ادب سے سامنے بیٹھ گیا!!!

سعید - مجھے اپنی غلط فہمی کا بہت افسوس ہے!

اُمی حضور کا کچھ قصور نہیں اپنی تقدیر کی خطا ہے! ہماری تو خیر جس طرح گزری بھی گزر گئی دیکھئے اس لڑکی کا مقدر کیا دکھاتا ہے! مال گیا جائداد گئی گاؤں گئے اسباب گیا ایک یہ عزت باقی ہے سو اس کا بھی اللہ حافظ ہے! خدا کی شان ہے سید امیر شاہ کا پوتا اور در در کی خاک چھانتا پھرے!! ایک اس نزاکت کی بیڑی پاؤں میں پڑ گئی ہے کسی طرح اس کے دو بول ہو جائیں تو پھر جدھر منہ اٹھے چلا جاؤں!

بجلی کا لیمپ دھڑا دھڑ جل رہا تھا اور چھم چھم کی آواز برابر کان میں چلی آ رہی تھی پٹاری گھسیٹنے کے بہانہ سے نزاکت نے اپنی جھلک بھی سعید کو دکھا دی!!

جلوہ بے پردہ تو ہوتا ہے فقط ہوش ربا
وہ قیامت ہے جو چلمن کی جھلک ہوتی ہے

رات کا وقت لیمپ کی روشنی دور کی جھلک سعید تو دل و جان دونوں ہی قربان کر بیٹھا! آنکھوں کا اندھا آؤ دیکھا نہ تاؤ جھٹ بول اٹھا! غلامی میں قبول فرمائیے تو میں حاضر ہوں!!

سعید کا اتنا کہنا تھا کہ باہر اُمی اور اندر نزاکت دونوں کو عید ہو گئی! بچارہ سعید گنگا مسکین بھولا نا تجربہ کار کچا آفت کا پرکالہ اُمی جیسا اَنٹ ہوشیار مکار! وہ لچھے دار تقریر کی کہ سعید نزاکت کا کلمہ پڑھنے لگا! اُمی دل میں کتنا ہی نہال ہو گیا مجال جو چہرہ پر ذرا مسکراہٹ آئی ہو اُمی کا اعتراض نزاکت کا انداز! اشتیاق دیدار پازیب کی جھنکار! سب نے مل ملا کر سعید کے

ہوش حواس رکھوائیے! اقرار مدار ہو ہوا بیس ہزار کا مہر مقرر ہو نکاح ہو گیا!
کیا مزے کی شادی تھی چھ گھڑی رات گئے بات پکی ہوئی بارہ بجے نکاح ہوا
ایک بجے بی نزاکت محلسرا میں جا دھمکیں ۔

نزاکت نکاح سے پہلے کو ہڑی ہیں تھی تو کیا؟ چلتی ہوئی عورت سعید جیسے
ہزاروں دیکھے اور سینکڑوں برتے دو ہی باتوں میں تاڑ گئی کہ بالکل گاؤدی ہے
نکاح بندھنے کی دیر ہے جس بل نچاؤں گی ناچے گا آج نہیں کل اور کل نہیں پرسوں
غالب پور کی ریاست عباسیوں سے نکل کر میر اسیدوں کے قبضہ میں آئی!!
عطر میں ڈوبی پھولوں میں بسی محلسرا میں آئی تو جھمک جھمکا کر ایسی بیٹھی کہ
سیج سیج کی دلہن معلوم ہوتی تھی مگر یہ شرم وحیا تھوڑی دیر کی تھی صبح ہوتے
ہی ساری قلعی کھل گئی اسعید لاکھ سیدھا سادہ تھا مگر بچہ نہ تھا۔ اندھا نہ
تھا بہت نہیں تھوڑی زیادہ نہیں کم کچھ نہ کچھ عقل تو رکھتا ہی تھا۔ گھونگھٹ
اٹھا کر دیکھتا ہے تو ایک عورت ہے عمر کی ادھیڑ صورت کی بگڑی ہوئی عمر کی
اتری ہوئی یہ تڑک بھڑک بس اوپری ٹیپ ٹاپ ہے! گھٹنوں میں سر
دے کر بیٹھ گیا! نزاکت سمجھ تو فوراً گئی مگر اس کا دل شیر تھا جانتی تھی کہ دو
ٹکوں کا محتاج ہے ساری عمر میں لے دے کر عورت کے نام ایک بیوی کی
صورت دیکھی ہے سو وہ نیک بخت کتنی ہی کم عمر اور کیسی ہی حسین کیوں نہ
ہو مجھ جیسی چٹاک مٹاک میرے جیسے داؤں گھات کہاں سے لائے گی؟
پردے کی رہنے والی اللہ آمین کی پالی سبکے کی دبی دبائی بال بچوں کی گھری
گھرائی میرا مقابلہ کیا خاک کرے گی۔ کچھ دیر تو جھجکی بیٹھی رہی گی۔ پھر تو وہ بیٹا

ہوئی کہ حیا و یا سب خاک میں ملا دی ایسے ناک چنے چبوائے کہ سعید کو بھی چھٹی کا کھایا یاد آگیا! تین چار ہی مہینہ میں چھوکریاں اصیلیں لونڈیاں مامائیں سب نزاکت کی خدمت میں جا پہنچے!

یہ تو خدا ہی جانے کہ سعید کی تقدیر بگڑی یا سنوری مگر سچ پوچھو تو مدتوں کی آرزو کا ارمان شب و روز کی تمنا خاصی اچھی طرح پوری ہوئی! جن باتوں کا منوع وہ سلمہ سے تھا وہ سب بلکہ اُس سے زیادہ گھر بیٹھے میسر آگئیں! ہنسی مذاق تاش پچیسی چوسر گنجفہ ارپیٹ ڈھول ڈھپا سب ہی کرم تو پورے ہوئے!

سعید وہ شخص جس نے کبھی آنکھ کھول کر بھی مکر و دغا نہ دیکھی اُمی کے فقروں نزاکت کی چالبازیوں سے کہاں تک بچتا! بیدا موں کا غلام بنگیا! نوبت یہاں تک پہنچی کہ ریاست میں بھی اُمی کا دخل ہو گیا! سعید کا تو فقط نام تھا کام سارا اُمی کر رہا تھا! نکاح سے پہلے اتنا تھا روز نہیں تو دوسرے تیسرے گھنٹہ کو سلمہ کے پاس ہو آتا تھا نکاح کا ہونا تھا کہ اور زیادہ نزاکت سے دل لگنا تھا کہ قطعاً آمد و رفت موقوف کر دی! چاہئے کہ نزاکت اس پر صبر سے بیٹھ جاتی ہرگز نہیں سلمہ کا کانٹا دن رات اُس کے دل میں کھٹکتا رہا تھا۔ ڈرتی تھی کہ پنچوں کی لائی دس برس کی بیاہی دیکھئے کیا رنگ لاتی ہے کوئی صورت ایسی نکلے کہ اس کا کھر کھوج تک کھودوں!!!

اکتوبر مہینہ کا اخیر ہوگا غالب پور میں فصلی بخار زور و شور سے چمکا! سلمہ اور چھوٹا لڑکا کا انعام تو پندرہ روز سے بخار میں لوٹ پڑے تھے مگر ان

بدنصیبوں کو پوچھتا کون تھا آدھی کا شربت بھی نصیب نہ ہوا! بخار تو ٹوٹتا کا تھا ادھر تو ہاتھ پاؤں ٹوٹنے شروع ہوئے اُدھر اُس نے گھر سر پر اُٹھا لیا! بخار کچھ ایسا شدت کا نہ تھا مگر اس مردار نے تو وہ فیل مچائے کہ مصیبت کے مارے سعید کو لاڈلی بی بی کی جان کے لالے پڑ گئے!! دوپہر سے جو آنکھیں بند کرکے پڑی تو میاں آوازیں دیتے دیتے تھک گیا مگر اُس نے آدھی رات تک آنکھ نہ کھولی! ذرا ماما ئیں ادھر اُدھر ہوئیں تو نہایت آہستہ سے میاں کو مخاطب کیا اور کہا!!!

بس تو اس دل کے ہاتھوں مجبور ہو گئی! ماموں جان کی صلاح تو ہرگز بھی نکاح کی نہ تھی! اور سچ یہی ہے سوکن پر دینا جان سے ہاتھ دھونا ہے! موا بخار آج انوکھا تھوڑی چڑھا ہے دیکھے بھی سُنے بھی مگر یہ کیفیت نوج ہو کہ ہڈی ہڈی اور پسلی پسلی توڑ دی! اپنا کیا اپنا ساتھ! کیوں منہ سے بات نکالی! مجھے تو موت یہاں لائی ہے! روز نت نئے کرشمے دیکھتی ہوں! کل ہی سیندور بھری کلیجی لوگوں کا جوڑا مٹکے پر سے ملا ہے!

سعید۔ شکر ہے تم نے بات تو کی خدا کی قسم میرے تو اوسان جاتے رہے! تم میرے منہ پر نہیں رکھتیں تو کیا! میں بے خبر نہیں ہوں! رتی رتی حال معلوم ہے۔ ماموں جان کی زبانی سب سنتا رہتا ہوں! کچھ عقل کام نہیں کرتی میرا بس چلے تو اس بیوی کو ایسی جگہ ماروں جہاں پانی تک میسر نہ ہو۔

نزاکت۔ یہ تو میں نہیں چاہتی مگر ہاں دیوار بیچ رہنا ٹھیک نہیں!

میرا ہی منہ کالا کر دوا

سلمہ کے بخار میں تو اتنا فرق ہو بھی گیا کہ روز سے باری ہوئی مگر انعام کو تو کچھ ایسی گہری کا چڑھا کہ اکیس دن ہو گئے اور جنبش نہ کی! ماما ئیں نوکر چاکر سعید کا اشارہ پاتے ہی نزاکت کی خدمت میں پہنچ چکے۔ تھے ایک سلمہ کی دوا محبت ملنساری نمک حلالی وفاداری کچھ ہی سمجھ لو سلمہ کا غم غلط کرنے کو باقی رہ گئی تھی! عالی شان محلسرا جس میں دن دوپہر جاتے ہوئے ڈر لگے کاٹنے کو دوڑتی تھی! جاڑے کا موسم ہوا کا فراٹا رات کا سناٹا اور گنتی کی دو عورتیں وہ بھی ایک مصیبت زدہ دکھیاری دوسری بڑھیا پھونس آفت کی ماری! بیچاریوں کے کلیجے دہلے جاتے تھے! دو بچوں کا دھا سلمہ کے دل پر ایسا بیٹھا تھا کہ ذرا کسی بچے کا جی ماندا ہوا اور اس کی جان نکلی کجا اکیس روز کا بخار گھڑی گھڑی کی خیر منا رہی تھی جو سعید نے دوا کو بلا کر حکم دیا کہ کل دوپہر تک تمہاری بیوی گوندنی والے مکان میں چلی جائیں!!!

سلمہ اس باپ کی بیٹی جس سے ہندو مسلمان تمام غالب پور لرزے مگر افسوس سیدانی کی آن بان کبھی کی ختم ہو چکی تھی! ورنہ سعید کی تو مجال کیا تھی کہ بیوی کو باہر نکال دیتا تقدیر کی خوبی تھی کہ ساس سسرے دونوں کو موت آگئی اگر ان میں سے کوئی بھی زندہ ہوتا تو سعید ایک کیا ہزار عورتیں لے آتا اور سلمہ لالوں کی لال بنی رہتی! میاں کا حکم سن کر سوکھی ہڈیوں میں جوش تو آ چلا مگر صدمہ آفرین سادات کے خون کو حکم کی تعمیل میں

انکار نہ ہوا پھر اگھر چھوڑ چھاڑ دونوں بچوں کا ہاتھ پکڑ دواکو ساتھ لے دوپہر سے پہلے محلسرا خالی کر دی!!!

سلمہ کا گھر سے نکلنا تھا کہ نزاکت کی جان میں جان آگئی! مگر چاہیئے کہ سلمہ کو ویران کر کے نزاکت اطمینان سے بیٹھ جائے! کیا مجال!! کچھ ایسی ہاتھ دھو کر پیچھے پڑی تھی کہ گھر چھینا یہاں چھینا اور چھینے جا کر چھینے پھر بھی چین سے نہ بیٹھی! اُس کا بس چلتا تو سلمہ اور اُس کے بچوں کو کچا کھا جاتی! دن رات اسی پیچ و تاب میں غرقاب رہتی! جب موقعہ ملتا اور جہاں گنجایش دیکھتی بات کا بتنگڑ بنا بیٹھتی! نتیجہ یہ ہوا کہ اسلم جیسا اللہ آمین کا بچہ اور باپ کو آنکھ اُٹھا کر دیکھنا حرام ہو گیا! کیسا مہینہ اور کس کی تنخواہ نزاکت سے نکاح ہونا تھا کہ وہ سلمہ کے ساتھ دونوں بچوں کو بھی چھوڑ بیٹھا! گہنا پاتا کاٹ کباڑ اول تو کچھ تھا ہی نہیں اور جو کچھ تھا بھی تو کب تک ڈھائی تین ہی برس میں سب ختم ہو گیا! لعنت خدا کی سعیدہ۔ بہر شریف کا بچہ ہو کر ایسا پاجی نکلا کہ بیا ہتا بی بی اور پھول سے بچوں پر دو دو وقت کے کڑاکے گزر جاتے اور بات نہ پوچھتا! بلبل اور چمپا نزاکت کی دونوں لڑکیاں نت نئے کپڑے بدلیں اور اسلم انعام برس کے برس دن چوہا بنے پھریں ۔

وہی نزاکت جس کی عمر کا بڑا حصہ بدکرداری میں گزرا آج راج دلاری ہو گئی! عیش آرام عزت حکومت نزاکت کا مقدر تو ایسا سکندر نکلا کہ اس کے گمان میں بھی نہ ہو گا البتہ بیٹے کا ارمان تھا خدا کی شان وہ

بھی پورا ہوا چھٹی کی دھوم دھام دیکھ کر سلمہ کا بیاہ یاد آتا تھا! ماماؤں کو جوڑے نوکروں کو وردی ملانوں کو کھانا سینکڑوں روپیہ صرف ہوا لکھنؤ سے مراسنیں آئیں دریا پور سے بھانڈ آئے آرائش کا انتظام یہ کچھ ہوا کہ مجلسرا مُنہ سے بول اُٹھی افسوس ہے اُس باپ پر جس کے ہاں ایک وقت میں سات ہزار من بریانی پکے غالب پور کا بچہ بچہ پیٹ بھرے اور فاقہ سے ہوں تو سلمہ کے لال جن کو اتنا حکم نہ تھا کہ چار دیواری میں قدم رکھ لیں!!

سچ پوچھو تو سیدانی بدنصیب پر تو مصیبت کا آغاز اُس وقت سے ہوگیا جب سے ارشد جیسا بچہ رخصت ہوا اس پر مینا کی موت ایک ایسا جبر کا تھا جس نے بالکل ہی حواس باختہ کر دیا! ابھی بیٹھنے نہ پائی تھی کہ ادھر ماں باپ اُدھر ساس سسرے ایک ایک کرکے یہ چاروں رخصت ہوئے! آپ پڑی تو ایسی پڑی کہ جیتے ہی جی قبر میں جا پہنچی بدنصیب تھی وہ خود اور بے حیا تھی اُس کی زندگی کہ سوکن دیکھی سوکن کے لبلڑے دیکھے میاں چھٹا گھر بار چھٹا عیش گیا آرام گیا! کیا دل کہتا ہوگا اُس ماں کا جس کے دو بچے جا کر دو باقی رہیں وہ دیکھے کہ گرمی کا لمبا سا دن صاف گزر گیا اور بچوں کے مُنہ میں اُڑ کر کھیل کا دانہ تک نہ گیا جاڑوں کی پہاڑ سی راتیں چلے کی سردی جھاوٹ کے دن دانت سے دانت بج رہے ہیں اور یہ کلیجہ کے ٹکڑے گدڑ میں لپٹے سکڑے پڑے ہیں!!!

اسلم ڈیڑھ دو ہی برس کا باپ سے کچھ ایسا مانوس ہوگیا تھا کہ جب تک

باپ کی گود میں نہ جاتا نیند نہ آتی ذرا باپ کو باہر دیر لگی اور بچہ نے رو رو کر
آنکھیں لال کیں سارا دن گزر جاتا جب تک باپ نہ آتا کھانا پینا سب
حرام کر لیتا سوتا تو اُس کے ساتھ کھاتا تو اُس کے ساتھ پیتا تو اُس کے
ساتھ رہتا تو اُس کے ساتھ! دیکھنا کیسا ایسا عاشق زار بچہ تو کبھی سنا
بھی نہیں کہ دن رات باپ ہی کی تسبیح ہو! نزاکت کے آنے پر بھی اسلم اسی
طرح باپ کو لپٹا رہا مگر اس ظالم نے یہ تو خدا ہی جانے کہ دل سے یا
نزاکت کے خوش کرنے کو تین چار دفعہ ایسا جھڑکا کہ بچہ اپنا سا منہ لیے
کر رہ گیا! چھ سات برس کا بچہ نہ نکاح سمجھتا تھا نہ نگاہ پہچانتا تھا گو نئی
والے مکان سے بھی جب ہڑک اُٹھتی اور باپ یاد آتا اکیلا محلسرا کے
نیچے آ کھڑا ہوتا اور کسی نہ کسی بہانہ سے دیکھ لیتا سنگدل باپ نے یہ بھی
روا نہ کیا اور بچہ کے آنے کی قطعی ممانعت کر دی!! باپ کی یہ جدائی ننھے
سے کلیجہ پر ایسا کاری زخم لگا کہ ہر وقت میاں میاں کہہ کر روتا! ماما کا
بیٹھو! ہائے باپ باپ کی گود تھی روتے روتے آواز بیٹھ گئی! بیماری ہوتی تو
دکھیاری ماں جان دیتی اور علاج کرتی مگر یہ وہ آزار تھا جس کا علاج سلمہ
کے اختیار سے باہر تھا! رات بھر جاگتی اور بچہ کو کلیجہ سے لگائے رہتی
مگر اس مظلوم کی جب آنکھ کھلتی وہی گریہ و زاری اور میاں میاں کی صدا!
آواز بیٹھی اور آواز کے ساتھ ہی بخار شروع ہوا!

سلمہ کے پاس روپیہ پیسہ تو اب اللہ کا نام تھا مگر سب سے بڑی
دولت یہ وہ لال تھے! اسلم کو بخار چڑھنا تھا کہ سلمہ کی جان پر بن گئی! دوائی

ٹھنڈائی کے قابل تو تھی نہیں گلے سے لگا کر لیٹ گئی! بخار چڑھا تو اس غضب کا چڑھا کہ ساعت بہ ساعت اور لمحہ بہ لمحہ تیز ہو رہا تھا اور سلمہ کا دل اُڑ رہا تھا زار قطار رو رہی تھی اور کہہ رہی تھی :۔

"الٰہی میرے اوپر رحم کیجیو یہ دو پھول سے تیری امانت ہیں۔"

باپ کی محبت اسلم کے دل میں اس درجہ سمائی تھی کہ جاگ رہا ہے تو باپ کا خیال اُس کے ساتھ ہے سو رہا ہے تو اُس کی تصویر سامنے موجود ہے! بخار میں ہل ہلا رہا تھا خدا جانے خواب میں کیا دیکھا دفعتہً چونک پڑا اور میاں میاں کہتا ہوا دروازہ کی طرف دوڑا ماں نے جلدی سے پکڑا مگر وہ مچل رہا تھا اور کہہ رہا تھا "میاں بھاگ گئے اماں میاں بھاگ گئے"!

ہر چند ماں پکڑ رہی تھی مگر وہ قبضہ میں نہ آتا تھا گود میں اٹھا کر دروازہ پر لائی روتا ہوا اترا اور چیختا ہوا باہر گیا یہ ماتا کا جوش تھا کہ دن دھاڑے سلمہ گلی میں نکل بچہ کو اُٹھا گھر میں لے آئی مگر وہ روتا رہا اور یہ ہی کہتا رہا :۔

"ہائے اماں میرے سامنے میاں مٹکوں پاس کھڑے تھے اودھر گئے ہیں"!

اسلم کا بلکنا سلمہ کے کلیجہ پر تیر لگ رہے تھے! روتے روتے بیہوش ہو گیا اور ایسا بیہوش ہوا کہ سانس اُکھڑ گیا! آدھی رات کا سنسان وقت تھا پھوار پڑ رہی تھی! سلمہ بچہ کو گود میں لئے چہرہ پر ٹکٹکی لگائے بیٹھی تھی! کلیجہ منہ کو آ رہا تھا کہ اسلم نے آنکھ کھولی اور ماں کو دیکھا! بچہ کا آنکھ کھولنا تھا کہ ماں نے بے اختیار ہو کر منہ پر منہ رکھ دیا اور کہنے لگی :۔

"میرے چاند! میں تیرے صدقے ذرا آنکھ تو کھول!"

سلمہ کا منہ بچہ کے منہ ہی پر تھا کہ اسلم کو ایک ہچکی آئی اور ماں کی گود میں رخصت ہوا!

قدرتی طلسمات کی نیرنگیاں پیش نظر ہیں اور دنیا سے ناپائدار رنگ برنگ کے جلوے دکھا رہی ہے! حیات مستعار کی مجلس جمی ہوئی ہے! دور دور کے فارغ البال شریک بزم ہیں! ایک کم سن شہزادی سر پر تاج گلے میں نولکھا ہار تکیہ لگائے بیٹھی ہے! ساغر بلوریں ہاتھ میں ہے اور رنگا رنگ کے شیشے سامنے چنے ہیں! خوشحال ہیں یہ مہمان مگر بھولے ہیں یہ نادان کہ یہاں آ کر شریک دور ہوئے! ان کا اقبال قمر چہار دہم کی طرح چمک رہا ہے! ان کے چہرے ہشاش بشاش ہیں خود بشاش میر مجلس کو دیکھ کر نہال نہال ہو رہے ہیں! کافوری شمعیں روشن ہیں اور ان کی زرق برق پوشاکیں جگ مگ کر رہی ہیں! بیفکری ان کے سروں پر سونے چاندی کے پھول برسا رہی ہے اور اطمینان زر و جواہر کے چنور ہلا رہا ہے!!

اے نشہ دولت کے متوالو! ہشیار! ہشیار! تم تو بالکل ہی سرشار ہو گئے! اٹھو! اٹھو آنکھیں کھولو! پھر یہ وقت کہاں اور تم کہاں! تمہارا یہ ڈیرا چند تاریخ بسیرا ہے!

دیکھو تمہاری شمعیں جھلملانے لگیں! اچھی تھی یہ رات اور غنیمت تھی یہ صحبت! لذتوں کے جھمگھٹے شریک تھے اور بچپن کے ساتھی موجود! نیند کے متوالو! آنکھیں کھول کر دیکھو بساط فلک چھٹکے ہوئے تاروں سے صاف ہوتی چلی! دیکھتے

ہی دیکھتے سارا آسمان درہم برہم ہوگیا! جاگو جاگو یہ تمہارے ہمدم یہ تمہارے انیس تمہارے پاس سے چلے! چلے اور ہمیشہ کو چلے! ان کو وداع کرو! ان کا وقت رحلت آگیا! یہ حسرت سے تمہارا منہ تک رہے ہیں! پیٹ بھر کر مل لو دل بھر کر دیکھ لو پھر نیند بھر کر سولینا! یہ متبرک صورتیں کوئی دم کی مہمان ہیں آن کی آن میں چھپیں! چھپیں اور ایسی چھپیں کہ عمر بھر نہ آئیں گی! اُن کو خدا حافظ کہو اور وعدہ قیامت پر رخصت کرو! صبا اُٹھ ذرا! مرغ کی بانگ مؤذن کی اذان! رنگ آسمان! یہ سب تم کو جھنجھوڑ رہے ہیں اور کہہ رہے ہیں!

اللہ کے بندو! رات گئی! رات گئی اور رات کے ساتھ وہ بات گئی! لطف شبانہ ختم ہوا! فلک کج رفتار رنگ بدل گیا وہ روشنی ہو چکی اور وہ چمک ختم ہوئی چاندنی پھیکی پڑ گئی! تارے جھلملا گئے! دیکھو ابر سیاہ نے کوسوں تیرہ و تار کر دیا! اس بدنصیب مسافر کو دیکھو رستہ ہولناک راہ کٹھن منزل کڑی! اندھیری رات! سر پر خدا کی ذات کوئی سنگ نہ ساتھ! اکیلی جان اور جنگل بیابان! شیروں کی دھاڑ پانی کی لو چھاڑ! کلیجہ چار چار ہاتھ اُچھل رہا ہے! مگر دکھیارا مصیبت کا مارا سرگاڑی پاؤں پیا چلا رہا ہے!

اے مزارستان کے بدنصیب مہمان! تیری کلفت! دشت غربت کی مصیبت! بیکسی بے بسی پر ہمدردی کی آنکھیں آنسو بہاتی ہیں! اور رفاقت کا کلیجہ ٹکڑے ٹکڑے ہوتا ہے! یہ رات تیرے واسطے قیامت تھی! اور وہ سر دل کی شب

عشرت مگر وہ نشہ دولت کے متوالے بھی اسی رستے جھومتے جھامتے غفلت کی گٹھڑیاں سر پر کلنک کے ٹیکے لگائے ندامت سے سر جھکائے چلے آ رہے ہیں!

اسلم کی موت نرالی نہ ہو مگر اچنبھا ضرور تھا! چار گھڑی دن رہے تک خاصہ بھلا چنگا کھیلتا پھرا! جھٹ پٹا وقت ہوگا بخار میں شدت ہوئی نیچے رات تک تو وہ کبھی کا سدھار چکا تھا!

ارشد اور مینا دو ہی بچوں نے سلمہ کی دنیا ختم کردی تھی اسلم نے دنیا کے ساتھ زندگی کا بھی خاتمہ کر دیا! اندھیری رات مہاوٹ کے دن مردے کو کلیجے سے لگائے گم سم بیٹھی تھی! آنکھ میں آنسو نہ تھے لب پر آہ نہ تھی مگر کلیجہ منہ کو آ رہا تھا! دفعتہً بچہ کو چارپائی پر لٹا کر پیار کیا ایک چیخ ماری اور یہ کہہ کر اٹھ کھڑی ہوئی؟

"اپنے لال کے کپڑے لاؤں"

پھٹی سی چادر سر پر ڈالی اور سیدانی بدنصیب گھر میں مردہ چھوڑ باہر نکل گئی!

جس دن سے لڑکا پیدا ہوا سعید کے ہاں دن عید اور رات شبرات تھی! ادھر اسلم حسرت سے ماں کو دیکھ کر دم توڑ رہا تھا اُدھر نزاکت روپے اور اشرفیاں تقسیم کر رہی تھی! چھٹی کی تقریب! رئیس کی خوشی! اللہ آمین کا بچہ! محلسرا عورتوں سے پٹی پڑی تھی! سعید کھانا کھا کر مسہری پر لیٹا نزاکت آ کر آرام کرسی پر بیٹھی میراسنوں نے لہک لہک کر گانا شروع کیا!

"میرا چھنک منک نبرا آیا ری! بڑی دوروں سے نبرا بلایا!"
اری بڑے مانوں سے نبرا بلایا! میرا چھنک منک
حیدری کی کجنبیری آواز! آدھی رات کا وقت! کچھ ایسا سماں بندھا
کہ چاروں طرف سناٹا چھا گیا گیت ختم نہ ہوا تھا کہ دروازہ پر یہ دردناک
صدا شروع ہوئی! آواز تو غیر معمولی نہ تھی مگر مضمون کچھ ایسا درد انگیز تھا کہ
میزبان اور مہمان سب کے آنسو نکل پڑے ؎

بنڑے کے نثار گئی سلمہ! ہریالے بنے کی عمر بڑھے

پھولن جائے یہ بیل تری! — یہ لال تیرا پروان چڑھے
اس چندر کی جوت اترہ کہن سنسا میں لاج بچا سکا — اس ایک تیرے بسایہ ٹھہری! ڈنکا چودیس بجا سکا
مہکار رہے ان پھولوں کی! — سرسبز رہے گلزار تیرا
بلبل چہکے چمپا لہکے! — شاداب رہے پروار تیرا

مجھ پہ یہ غضب کیسا ٹوٹا! — میرا یہ نصیب ایسا پھوٹا
جیتے جی مرا ساجن چھوٹا! — میری لاج گئی پردہ ٹوٹا
یہ رین ڈرانی اندھیاری! — کالی ہوا گھٹا چھائی سر پر
دکھیاری برہ ماری سلمہ! — باہر ہو کھڑی تیرے در پر

اسباب بکا زیور نہ رہا! — ماں باپ بچی کو موت آئی
ارشد سی ہری کو پل ٹوٹی! — بیٹا چھوٹی اور سوت آئی

جاڑوں کی یہ راتیں پہاڑ کٹھن! جھپکانی آنکھ حرام مجھے
گاڑھے کی پھٹی سی چادریں! ہوتی ہے قیامت شام مجھے
یہ چلے کی سردی کہرہ کٹھر! اور بچے پھریں سوں سوں کرتے
گھر بھر میں روٹی کا نام نہ ہو انجام یہ بچے مرتے مرتے
اسلام میرا لال ہے یا داکٹر! تھی جس کی دوا جھومر لائی
گھر میں ہے پڑا تنہا مردہ! بس اُس کے کفن کو موں آئی
ہے نام کی لاج فقط باقی! مردہ تو کسی کار ہے نہ رہا
مل جائے گی خاک میں سب عزت! گر اس کو کفن غیروں نے دیا

اس آخری خدمت کو اُس کی گر کچھ بھی کمائی باپ کی ہو
اُٹھوا دو مرا بچہ صاحب! یہ ظاہر عنایت باپ کی ہو
کچھ بھی نہ جواب آیا میرا! پھر کیا کروں ہائے کہاں جاؤں
بیکس ہیں ہمیں نام اللہ کا بس! بچہ کا کفن کس سے لاؤں

گھر والی پیاری پیاری بی بی! بچوں کا تصدق دے بیگم
آباد رہے اولاد تیری! خوشحال رہے تیرا یتیم
اُٹھوا دے مرا مردہ بی بی! زندہ تری سب اولاد رہے
نوشاد رہے آباد رہے! سلمہ یہ ساعت یاد رہے

اسلم کے کفن کارن نکلی ! میں آئی تمہاری گلی بابا
تم چین کرو آرام کرو ! سلمہ اس در سے چلی بابا

ادبی تصانیف

سلسلہ کہکشاں!

نقشِ فرنگ ۔ مصنفہ جناب قاضی عبدالغفار صاحب اڈیٹر صباح و جمہور ۔ قاضی صاحب ملک کے بہترین انشا پردازوں میں سے ہیں آپ نے سفر یورپ سے واپس آکر اُن تاثرات کو قلمبند فرمایا ہے۔ جو دیار فرنگ کی تاریخی یادگاروں ۔ دور حاضرہ کے محیر العقول تمدن اور مدبرین مغربی کی جنگ زرگری کے مناظر سے آپ کے قلب پر وارد ہوئے تھے ۔ یہ کتاب "سفر نامہ" نہیں ۔ بلکہ ایک ادیب کے دلاویز و دلفریب خیالات ہیں ۔ جن سے دل و دماغ دونوں لذت اندوز ہوتے ہیں ۔ اور پڑھنے والے کو جہاں ایک طرف تہذیب مغربی کے مناظر کا صحیح چہرا نظر آجاتا ہے ۔ وہاں وفد خلافت کی ناکامی ۔ مدبرین انگلستان کی عیاری ۔ ترکوں کی حیات افروز بیداری کے سبق آموز حالات بھی معلوم ہوتے ہیں ۔ انداز بیان اس قدر ادیبانہ اور دلکش ہے کہ ختم کئے بغیر چھوڑنے کو جی نہیں چاہتا ۔ قیمت ۱۲ؔ

محبت نامے ۔ یعنی میاں بیوی کے خطوط ۔ بنگال کے ایک مشہور مصنف کی مقبول عام تصنیف جسے پروفیسر رام سروپ کوشل ایم ۔ آر ۔ اے ایس نے اردو میں ترجمہ کیا ۔ اس کتاب میں میاں کے خطوط بیوی کے نام ۔ اور بیوی کے خطوط میاں کے نام درج ہیں اور ان میں سسرال کی زندگی کو

پرلطف اور کامیاب بنانے کے متعلق نہایت دلاویز انداز میں خیالات ظاہر کیئے گئے ہیں۔ زبان سلیس اور شستہ۔ قیمت ۹ر

مینا۔ یہ ڈراما بنگال کے ڈراماٹسٹ بابو کشیرو دچندر چیٹرجی کے ایک ڈرامے کا ترجمہ ہے جس کو حکیم احمد شجاع صاحب بی۔ اے نے نہایت قابلیت اور حسن تحریر سے اردو کے قالب میں ڈھالا ہے۔ یہ ڈراما ایک اعلیٰ ہندوستانی خاندان سے تعلق رکھتا ہے۔ اور اس میں نیکی و بدی کی کشمکش کے پیرایہ میں سبق آموز زندگیوں کے حالات دُہرائے گئے ہیں + پلاٹ کی دلچسپی و دلاویزی کو مدنظر رکھ کر افراد قصہ کے کیرکٹر اس خوبی سے دکھائے گئے ہیں۔ جو فی زمانہ اُردو ڈراموں میں مشکل سے مل سکیں گے + لکھائی۔ چھپائی اچھی۔ کاغذ عمدہ قیمت ۱۲ر

ماہ عجم۔ از مصور عجم مولوی راشد الخیری دہلوی۔ فاروق اعظم کے عہد مبارک میں سلطنت ایران پر قابو پانے کے لئے مسلمانوں کے بے نظیر جنگی کارنامے۔ فرزندان ایران کا سرفروشانہ مذہبی جوش۔ ایرانیوں کا پروانہ وار شمع وطن پر قربان ہونا۔ حسن و عشق کے جذبات لطیفہ کی حقیقت طرازیاں دیکھنی ہوں تو ماہ عجم پڑھئے۔ جو بلحاظ اثر و تاثیر کے تمام دوسری تصنیفات میں ممتاز ہے۔ قسم اول ۱۲ر قسم دوم ۸ر

ملنے کا پتہ

دارالاشاعت پنجاب ۱۹۵۔ ریلوے روڈ۔ لاہور

روشنی پرنٹنگ ورکس لاہور میں باہتمام لالہ لیکھا رام پرنٹر کے چھپا

تصانیف مُصورِ غم مولانا راشد الخیری

سنجوگ۔ اس کتاب میں ایک ایسی مصیبت زدہ لڑکی کی د...
جس کا نکاح والدین نے سوچ سمجھ کر نہ کیا۔ اور فریقین کی ط...
اندازہ نہ لگایا بلکہ روپے اور دولت پر پیاری بیٹی قربان کر دی...
کتاب کا فقرہ فقرہ تیر ہے۔ اور سطر سطر نشتر۔ قیمت ۱ر

سوکن کا جلاپا۔ یہ قصہ اگرچہ چھوٹا سا ہے۔ مگر بلحاظ درد ا...
تمام کتابوں میں ممتاز ہے۔ ایک لڑکی پر ساس نے سوکن لا بٹھا...
اس بے گناہ لڑکی نے سخت مصیبتیں جھیلیں۔ جھوٹی تہمتیں اور...
بدنامیاں اٹھائیں۔ اور ماں باپ کی لاج رکھنے کے لئے سب اذیتیں...
شکر کے ساتھ سہیں۔ یہاں تک کہ ان غموں میں گھل گھل کر جان دی...

گوہرِ مقصود۔ اس کتاب میں دو چھوٹے چھوٹے قصے ہیں۔ ...
ملک خیالستان کی ایک پری کا ہے۔ اور دوسرا قصہ ایک عورت...
جو اپنے گم شدہ بچے کی تلاش میں جنگلوں اور پہاڑوں میں ماری...
پھری۔ اور آخر اس کا بچہ عجیب و غریب طریقے سے مل گیا۔ قیمت...

دار الاشاعت پنجاب لاہور

صرف صورتی پرنٹنگ پریس لاہور میں باہتمام ابو النظام الدین پرنٹر چھپا